[illegible] ہو الکل یامعین

(سری) کرشن بیتی

حصہ اوّل

ہندوؤں کے مشہور اوتار سری کرشن جی کے مشرح اور سچے حالاتِ زندگی

جسکو

سیّدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب شاہزادہ حضرت

خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رح نے کمال تحقیق اور نہایت دلچسپ

پیرایہ سے تحریر فرمایا،

اور پیرزادہ سید محمد صادق کارکن حلقۃ المشائخ دہلی نے بماہ رجب ۱۳۳۵ھ مطابق مئی ۱۹۱۷ء

منشی شیخ فضل حسین (ابو یوسف) کی کاکلی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت علاوہ محصول ڈاک دو روپے (عہ)

۷۸۶

ہندو قوم ــــ نام

• یہ کتاب اس نیت سے لکھی گئی ہے کہ مسلم قوم اپنے ہموطن ہندوؤں کے مذہبی و ملکی پیشواؤں کے حالات سے خبردار ہو کر اُن کی عزت اور احترام کیا کرے اور اسطرح دونوں قوموں میں عملی اتحاد اور یگانگت پیدا ہو جس کی اشد ضرورت ہے۔

لہٰذا میں اس ناچیز محنت کو ہندو قوم کے نام منسوب کرتا ہوں۔ اور مسلمانوں کی طرف سے محبت کا ہاتھ اُسکی طرف بڑھاتا ہوں۔

لیکن ہندو فلسفہ ہر تصور کی ایک تصویر چاہتا ہے اسلیئے ہندوؤں کے جذبات محبت کی ہستی

مسز سروجنی نائیڈو

کو قائم مقام ہندو قوم کا سمجھکر اُنکے نام یہ کتاب ڈیڈیکیٹ کی جاتی ہے۔ مسز نائیڈو ہندو ہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ اُنھوں نے اپنا دل ہندوستان کی خاطر مسلمانوں کو دیا ہے۔ میں بھی اپنا خون جگر ملک کی خاطر ہندوؤں کو مسز نائیڈو کے ذریعہ سے دیتا ہوں ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

حجرۂ رین بسیرا۔ دہلی
مئی سنہ ۱۹۱۷ء

مادرِ ہند کا ناتواں فرزند
حسن نظامی

ہوالکل — یامعین

۱- مہابھارت

فہرست مضامین کرشن بیتی

ہوالکل یامعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

"کرشن بیتی"

آپ بیتی، اور جگ بیتی سب سُنتے آئے ہیں، میں اُس کی بیتی سُناتا ہوں جس نے ہندوستان والوں کو اپنی بیتی سمجھنے کی پرکھ سکھائی، جو جگ بیتی کی تصویر اُتار کر رکھ گیا جس سے ہندوستانیوں کو اپنے جسم و روح کی زندگی کا راستہ معلوم ہوا۔

وہ آدمی تھا، آدمی سے پیدا ہوا تھا، اُس نے آدمیوں کی مثل اس زمین پر عمر بسر کی تھی طفلی میں کمزور تھا، شباب میں شہ زور تھا، بڑھاپے میں اُسکا جسم بھی گھٹا تھا اور عقل بڑھی تھی۔

میں نے سری کرشن جی مصنف گیتا کی بیتا لکھی ہے، وہ ہندو تھے، میں مسلمان ہوں مگر میرے مذہب اسلام کی تلقین علم اور اہلِ علم کی محبت سکھاتی ہے، خواہ وہ کسی مذہب میں ہو اور ہوں +

سری کرشن جی کے اوصاف علمی و عملی سے اگر مسلمانوں کی قوم باعتبار جماعت کے بے خبر ہے یا خبردار ہے، تو اچھے خیالات ان کی نسبت نہیں رکھتی، اس کا الزام خود ہندوؤں پر ہے جنہوں نے سری کرشن کو خود اپنے نفسانی جذبات کا پتلا بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ انصاف کیا جائے تو سب ہندو بھی اس کے مجرم نہیں ہیں، محبت بعض اوقات انسان کو گمراہ کردیتی ہے، ہندوؤں کے چند افراد سری کرشن کی الفت میں حد سے بڑھ گئے اور

اپنی شاعرانہ بلند پروازی اُن کی تعریف میں خرچ کرنے لگے، شاعری جذبات کی تصویر کو بہت [illegible]
خلقت کے خود اپنے جذبات تھے، وہی سری کرشن کی جانب منسوب کیے گئے، یا سری کرشن کو [illegible]
کو اپنی نفسانی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ شروع میں ایک مختصر اور محدود جماعت ان خیالات کی ہو
اور سمجھدار علم والے طبقے ان عامیانہ باتوں کو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہوں گے۔ اور اُنہوں
نے اس کی روک تھام کو یا تو اس وجہ سے فضول سمجھا ہوگا کہ عوام کے اعمال و عقائد جلدی
فنا ہو جایا کرتے ہیں، یہ بھی چند روز میں مٹ جائیں گے، اور یا چھوٹوں کے مُنہ لگنا اُنہوں
نے اپنی شان کے خلاف خیال کیا ہوگا اور اپنے علم و عقل کے رسوخ پر مطمئن رہے ہوں گے
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان عامیانہ خیالات نے جڑ پکڑ لی، اور وہ خواص کے عمل پر بھی
مسلط ہو گئے۔ اور تمام قوم سری کرشن جی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے اور ایک ہی عقیدہ
سے ماننے لگی۔ اور دوسری قوموں کی نظروں سے اپنے پاک آقا کو گرا دیا ◆

تو کیا اسکا الزام سب ہندوؤں پر عائد ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہر زمانہ میں ایسے ذی علم
دانشمند ہندوؤں کی ایک کثیر جماعت موجود رہی ہے، جو سری کرشن کی اصلی شان سے واقف
تھی اور اُن تمام خرافات کو خرافات ہی سمجھتی تھی، جو سری کرشن کی ذات سے منسوب تھیں،
اس لیے انصاف کا تقاضہ ہے کہ غیر اقوام ساری ہندو قوم کو اس کا الزام نہ دیں کہ اُسنے
اپنے طاہر رہبر کو غلاظتوں سے آلودہ کر کے دُنیا کے آگے رکھا۔

میری خواہش اس رسالہ کی ترتیب سے یہی ہے کہ مسلمانوں کو سری کرشن جی کی اصلی حالت
بتاؤں اور اُن کے پاکیزہ دماغوں کو ایک برگزیدہ آدمی کی نسبت بدگمان نہ رہنے دوں، جو قرآن
شریف کی ہدایت کے خلاف ہے، جس میں ارشاد ہے ان بعض الظن اثم (بعض گمان
گناہ ہوتے ہیں) میرا خیال و عقیدہ ہے کہ سری کرشن کو جاہل ہندوؤں اور بے اعتبار
ہندو کتابوں کے عقائد کی بنا پر عیاش، فریبی، فتنہ پرداز سمجھنا حقیقت کے خلاف اور
بہت گناہ ہے ◆

میں اس ارادہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ جب معلوم ہوگا کہ پڑھنے والے قومی تعصب سے الگ ہوں، اور انسانیت و سچے اسلام کی تعلیم انصاف سے متاثر ہو کر اس کتاب کو پڑھیں، اور اچھا نتیجہ نکالنے کا ارادہ رکھیں، کیونکہ نکتہ چینی اور اعتراض کی نیت سے جس چیز کو دیکھو ذہن نہ کچھ خرابی اُس میں دکھا سکتا ہے، بقول حضرت اکبر الہ آبادی :-

یہ اختلافِ صورت فطرت کی مستیاں ہیں
یہ انکشافِ معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں

یہ ظاہر کرنا تعلی نہیں ہے کہ میں بیس برس سے ہندوؤں کے علم دین، اور معاشرت کا مطالعہ کر رہا ہوں، اور مجھ کو ایک حد تک اُن کی دینی و دنیاوی خصائل کے سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ علم دین کے مطالعہ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے سنسکرت پڑھی ہے، یا ہندوؤں کی علمی کتابوں کو سمجھا ہے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ میں نے خود ہندوؤں کو پڑھا ہے، ان کے رسم و رواج کو پڑھا ہے اور یہی ہندوؤں کی ایسی کتابیں ہیں جو ہر زبان والے کی سمجھ میں آسکتی ہیں یعنی وہ ہندو اپنی تاریخ اپنے دین، اپنے تصوف اور اپنی معاشرت کی کتاب ہیں، ان کو مطالعہ کرنا کاغذی کتابوں کے مطالعہ سے بے پروا کر دیتا ہے۔

سب اعتراضوں کا ایک جواب

ہندوؤں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کو تاریخ لکھنی نہ آتی تھی، اُصول معاشرت سے بے خبر تھے کھانا، پینا، رہنا، سہنا آج تک وحشیانہ ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں اعتراض ہیں جن کے جواب آجکل کے تعلیمیافتہ ہندو، خصوصاً آریہ سماجی مختلف اخباروں، اور مختلف کتابوں، مختلف تحریروں اور تقریروں میں دیا کرتے ہیں، اور اپنا بے شمار وقت ان بحثوں میں برباد کرتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کو اس میں مصروف رہنے اور کاغذوں کو سیاہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ سب اعتراضوں کا ایک اُصولی جواب خود اُن کی قومی ہستی ہے جو خارج از حساب زمانہ سے موجود ہے، ہندوؤں کو بھی زمانہ کی چکی نے بار بار پیسا ہے۔ ہندو بھی

انقلاب ایام کے ہنڈولے میں بے شمار نشیب و فراز کے تماشے دیکھ چکے ہیں۔ ہندوؤں نے ساری دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی برابر بلکہ شاید کچھ زیادہ حوادث و تغیرات عالم کا امتحان دیا ہے، اگر وہ رومیوں، مصریوں، یونانیوں اور دوسری نامور قوموں کی طرح بالکل فنا نہیں ہوئے، کتابیں اگر فنا ہو گئیں، ہو جانے دو، ہندو کتابوں کے محتاج نہ تھے، کتابیں ہندوؤں کی محتاج تھیں جیسے کہ ہر قوم کی کتابیں ہی محتاج ہوا کرتی ہیں، قومیں کتابوں کو زندہ کیا کرتی ہیں، کتابیں قوموں کو زندہ نہیں کر سکتیں ◆

آج ہندو کروڑوں کی تعداد میں زندہ ہیں، اُن کا دین گو بگڑ گیا ہے مگر فنا نہیں ہوا، اور خود ہندوؤں کی بولتی ہوئی کتابوں میں موجود ہے،

ہندوؤں کو کھانا، پینا، رہنا سہنا نہیں آتا، وہ وحشی، جنگلی ہیں تو جن کو یہ کام آتے تھے، جو بڑے شائستہ، مہذب تھے، وہ کہاں ہیں اُن کو ذرا دکھاؤ۔ کیا شائستہ مصری باقی ہیں؟ کیا مہذب رومی موجود ہیں؟ کیا سلیقہ مند یونانی اپنی گزشتہ شان پر برقرار ہیں؟ نہیں ہیں ہرگز نہیں ہیں، ہرگز نہیں ہیں۔ مگر ہندو ہیں، آؤ دیکھ لو۔ براعظم ہندوستان میں ان کو دیکھ لو وہ اب تک جوں کے توں موجود ہیں، لہٰذا ایسی وحشت، ایسی جہالت، ایسا جنگلی پن، قابل اعتراض نہیں ہے، جو زندہ رکھے، اور ایسی تہذیب و شائستگی کی تعریف فضول ہے جس کا عامل ناپید ہو گیا ہو۔

میں نے ہندوؤں کو اُس نگاہ سے پڑھا ہے جو کتاب کی محتاج نہیں، مجھ سے ہندو کتابوں کی فہرست نہ پوچھو، وہ یورپ کے چھاپہ خانوں میں ملیگی، جو سمندر پار بیٹھ کر چھاپی گئی ہے، مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں ہندوؤں کے کتابی علم کا عالم ہوں، میں صرف یہ کہتا ہوں کہ میں نے ۲۰ برس ہندوؤں کے ذریعہ ان کے دین و دنیا کے مطالعہ میں صرف کئے ہیں، میں ایک جھولی۔ ڈنڈا کمبل لئے ہوئے۔ متھرا، بندرابن، گوکل میں مدتوں رہکر سری کرشن جی کے مقام پیدائش و پرورش و عروج کو پڑھتا رہا، اور ہردوار میں، اجودھیا میں، بنارس میں۔ گیا میں خلص یکسوئی و تنہائی کی حالت سے خاک کے فرش پر پتھر سرہانے رکھ کر سویا کیا ◆

وہ عرب ہے، وہ مدینہ ہے، وہ میرے باپ محمدؐ کی نگری ہے، وہی وہ خیمہ ہے جس کے اندر تیرہ سو برس پہلے ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے، جس کے باہر اونٹ، اور گھوڑے بندھے رہتے تھے، اندر ہماری تلواریں لٹکتی تھیں،
جہاں ہم بکریاں چراتے تھے، جَو کا آٹا کھاتے تھے، کمبل پہنتے تھے، کیوں نہ کہوں، وہی جہاں سے اُٹھ کر ہم نے ساری دُنیا کو ہلا ڈالا، اور اُس کے تاج و تخت کے مالک بنے،
چار برس ہوئے، جب میں اپنے اس پرانے وطن میں گیا تو اُس کو بہت ہی پیارا پایا بے اختیار میرا دل اُس پر آیا، لیکن میں نے ہندوستان کو وہاں بھی دل سے الگ نہیں کیا اس آنکھوں کی ٹھنڈک پر بے توجہی و بھول کا پردہ نہیں ڈالا۔ میں نے وہاں ہند کو بادلوں بجلیوں کو یاد رکھا، برسات کی مستانہ ہواؤں، کوئل اور مور کی آوازوں، تالاب کے مینڈکوں کی صداؤں کو خیال میں لایا، اور محبت کا ٹھنڈا سانس لیکر اپنے جنمی وطن کو مڑ مڑ کر بار بار دیکھا،
خوش ہوں، میرا عرب سلامت ہے، خوش ہوں، میرا ہندوستان سلامت ہے ٭

دوسرا خیال

اس کے علاوہ ایک دوسرے خیال کو بھی اس تحریک سوانح نویسی میں دخل ہے، اور وہ اُردو زبان کی خدمت ہے، کیونکہ ہم سب ہندو مسلمان اپنی اُس زبان کی ترقی کے فرض میں شریک ہیں جو ہم دونوں کو زندہ رکھنے اور آگے بڑھانے کی کنجی ہے، ضد اور ہٹ نے ہم دونوں کو اندھا کر رکھا ہے، ورنہ سچ بات یہ ہے کہ (اُردو اگر وہ اُردو ہو) ہندو مسلمانوں کی مشترکہ سارے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے، ہر ہندوستانی کا دل اس کو تسلیم کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہماری زبان ویسی ہی شاندار ہو جائے، جیسا ہمارا ملک تمام دُنیا میں شاندار ہے، اُردو و ہندی کی بحث میں دونوں فریق اُصولی مقصد کو بھول جاتے ہیں، اور ایک

بھائی دوسرے ملکی بھائی کو حریفانہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کتاب کو اُردو میں لکھکر مجھے اطمینان ہوا، کہ میں نے اپنی زبان کا حق ادا کیا، کیونکہ اُردو زبان میں سری کرشن جی کے حالات بہت کم ہیں، اور جو ہیں وہ ذاتی عقائد و خیالات کی بناء پر لکھے گئے ہیں۔ مثلاً لالہ لاجپت رائے صاحب نے جو لائف سری کرشن جی کی لکھی ہے اُس میں آریہ سماجی نظر سے ہر بات کو درج کیا ہے، گویا قدیمی خیال کے ہندوؤں کی تردید میں یا سماجی اصلاح کے ماتحت یہ کتاب مرتب ہوئی ہے، اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ بہت غنیمت ہے، اور مجکو اُس سے بہت مدد ملی ہے، تاہم یکطرفہ اظہار خیالات کا الزام اس پر عائد ہوسکتا ہے۔

لالہ صاحب موصوف کے علاوہ چند کتابیں اور بھی ہیں جن کو میں نے فراہم کرکے دیکھا کوئی کتاب ایسی نہیں ملی، جو غیر ہنود و خصوصاً مسلمان لوگوں کو حالات سری کرشن جی سے بخوبی آگاہ کرسکے +

سب سے بڑی کمی

ان کتابوں میں یہ ہے کہ ان کی نہ زبان اچھی ہے، نہ کاغذ اچھا ہے، نہ لکھائی اچھی ہے نہ چھپائی میں اہتمام کیا گیا ہے، خیال تو کرو، کہ عظیم الشان اور حسین آدمی کی لائف اور ایسی بدشکل، کہ ضرور تمند اور عقیدت شعار آدمی کے سوا کوئی نفیس طبیعت والا، ان کتابوں کو ہاتھ میں لینا بھی پسند نہ کرے،

تجارت پیشہ لوگ روپیہ کمانے کی خاطر ایسی خراب کتابیں چھاپتے ہیں، اور غریب اُردو کو غیروں کی نگاہ میں ذلیل کرتے ہیں +

میں نے اس بڑی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، خاص اہتمام سے عکسی تصاویر تیار کرائی ہیں اور باوجود تگنے چوگنے دام بڑھ جانے کے کاغذ دبیز اور نفیس لگایا ہے لکھائی، اور چھپائی میں بھی جہاں تک مجھ سے ہوسکا، کوشش کی ہے کہ عمدہ ہو، اور اس طرح اپنی دانست میں اُردو زبان کا حق دیبائش ادا کیا ہے،

واسدیو نامی ایک لڑکا ہوا۔

باسدیو ایک یتیم شہزادہ تھا۔ جس کے باپ وسریا سور کو چندر بنسی خاندان کے ایک راجہ اگرسین نے قتل کر کے تخت متھرا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور یتیم شہزادہ باسدیو کو غاصب و قاتل راجہ اگرسین کے بھائی دیوک نے پرورش کیا تھا۔ اور باسدیو حریف کے ہاتھوں میں پل کر اسی کا بیٹا کہلاتا تھا۔

مالک راج متھرا اگرسین کا ایک بیٹا **کنس** نامی تھا اسی کنس کی بہن اور اگرسین کی بیٹی دیوکی تھی جس کو کرشن جی کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

شہزادہ باسدیو مفتوح و محکوم بھی تھا اور یتیم بھی تھا۔ تاجدار اگرسین کی بیٹی دیوکی کا اسکو ملنا دشوار تھا۔ اگر دیوک اگرسین کا بھائی زور نہ لگاتا۔

قدرت نے پلٹی کھائی تا باسدیو اور دیوکی کی شادی رچی۔ کنس جیسا مغرور و مفسد شخص جو اپنے باپ اگرسین کو معزول کر کے خود ملک کا مالک بن بیٹھا تھا ایسا بے خود ہوا کہ خوشی کے چاؤ میں دُلہن بہن کا رتھ بان بنا۔ اور وداع کے وقت رتھ ہانکتا ہوا اُس کے دولہا کے ہاں سے چلا۔

کنس کی فرعونیاں

حضرت ابراہیمؑ کے نمرود۔ اور حضرت موسےٰ کے فرعون سے کنس کسی بات میں کم نہ تھا۔ دنیا کی ہوس ویسی۔ زندگی کی طمع ویسی۔ ظلم و ستم کا وہی عالم۔ بے دردی و سنگدلی کا وہی طور۔

باپ کو تخت سے محروم کر کے تاجدار بنا۔ ذرا ذرا سے وہم پر سینکڑوں بےگناہوں یہاں تک کہ معصوم بچوں تک کے خون پانی کی طرح بہا دئے۔ دنیا کی کوئی آوارگی ایسی نہ تھی جس سے اس حرص کی موت نے دل نہ لگایا ہو۔ ایسے تیز مسالہ کو آگ کی کیا کمی۔ آسمانی [illegible]

کے مصاحب بھی شیطان کے نورِ چشم تھے۔ بات بات میں بھڑکاتے۔ وہی خطروں سے
ڈراتے۔ اور کہتے ہمیشہ حکومت کرنی ہو تو راستہ میں کوئی کانٹا نہ پیدا ہونے دے۔ پھر
بھلا باسدیو جیسے شخص کی طرف سے کنس اور اُسکے یاروں کو کھٹکا نہ ہوگا۔ ہر وقت [illegible] رہتے
ہوں گے۔ کانا پھوسی ہوتی ہوگی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اُتار چڑھاؤ اور دلوں کے ارادے
جانچے جاتے ہوں گے۔

باسدیو کے باپ دادا کے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ اُس کے باپ کو تلوار کے گھاٹ اُتارا
تھا۔ وہم کے دریا میں جس قدر بھنور پڑتے کم تھے۔ مگر جانتا تھا باسدیو چچا دیوک کی گود میں
پلا ہے۔ آنکھ کھول کر جس کو باپ سمجھا وہ میرا ہی چچا دیوک ہے۔ دیوک کی تربیت نے باسدیو
کا خون ٹھنڈا کر دیا۔ اب باسدیو کو سلطنت کا خیال نہیں آئے گا۔ اس نے طفلی سے ہماری
ہی حکومت کو اپنی بادشاہت سمجھا ہے۔ اور بچپن میں جو خیال دل پر جم جاتا ہے ساری عمر
قائم رہتا ہے۔ پھر اس سے خوف کے کیا معنی۔

اسی خیال سے اپنے چچا دیوک کی اس خواہش کو مان لیا ہوگا کہ اپنی بہن دیوکی باسدیو
کو دیدے۔ جانا ہوگا۔ آستین کے سانپ کا اس مَن سے مُنہ بند رہیگا۔

تب بھی پاس بیٹھنے والے شیاطین خواہ مخواہ کی خیر خواہی جتانے کو کہتے ہوں گے
بھیڑیہ کا بچہ بھیڑیا ہوتا ہے۔ گو بکری کے دودھ سے پلا ہو۔ باسدیو سے بے فکر رہنا
ٹھیک نہیں۔ اپنی بہن دیوکی کو دیتے تو ہو۔ آیندہ کے نشیب و فراز سوچ لو۔ یہ پیوند نیا پھل
نہ لائے۔ کنس ایک تو کریلا اُس پر چڑھا نیم۔ عجب خلجان میں ہوگا۔ دل میں رنگ رنگ کے ہنگامے
برپا ہوتے ہوں گے۔ کبھی کہتا ہوگا بہن دینے سے پرایا اپنا ہو جائے گا۔ کبھی ڈرتا ہوگا۔
بدل نہ جائے۔ دیوکی کو قلعہ حکومت کے فتح کی سرنگ نہ بنا لے۔

حریص و بےدرد کا ارادہ کمزور ہوا کرتا ہے۔ وہ ٹھیک رائے قائم کرنے سے ہمیشہ
محروم رہتا ہے۔ یہی حال کنس کا ہوا۔ چچا دیوک اور مفتوح حریف باسدیو کا کہنا مان لیا بہن دیوکی

سفید زمین دنیا کے ننھے مہان سے لال ہو گئی۔ اسنے دو آوازیں دیں۔ ایک جب اس کو بے ترسی سے پاؤں پکڑ کے چکر دیا گیا تھا۔ دوسرے جب زمین پر گر کر پاش پاش ہوا۔ دونوں آوازوں میں لفظ نہ تھے۔ مگر معانی تھے۔ وہ تکلیف و بے حواسی کی چیخیں تھیں لیکن فریاد کے ہزاروں لکچر ان سے مفہوم ہوتے تھے۔

باسدیو اور دیوکی کی ماتاخون میں نہائی زمین پر مری پڑی تھی۔ ان کی خوشی کا چاند گود کے آسمان سے اتر کر موت کے برج میں چھپ گیا تھا۔

دل کہتے تھے آہ۔ آنکھیں کہتی تھیں آہ۔ ہوش و حواس موجود نہ تھے۔ جو ان کا بیان سُنا جاتا۔

دیوکی سوچتی تھی اس زمین پر بھو کے مفلس ماتا کی بھری پُری گود کے مالک ہیں میں اس شاہانہ محل میں کیوں پیدا ہوئی۔ لوگو میری نو مہینہ کی محنت اجڑ گئی۔ اور ماتا کی بھرپور گود خالی رہ گئی۔ یہ سورج بنسی گھرانہ کا ننا سا سورج نکلتے ہی چھپ گیا۔ یہ چندر بنسی کنبہ کا پیارا پیارا چاند طلوع ہوتے ہی غروب کر دیا گیا۔

ارے کیا اس دیس میں میرا کوئی مددگار نہیں۔ کوئی ہو تو آئے۔ میرا لاڈلا سو گیا ہے اسکو جگا ئے۔ بھائی کنس کو خبر دو۔ میرا بیرن بھیا میری بپتا سُنے گا۔ اوہ میں بھولی۔ کنس کو نہ بلاؤ۔ وہ میرے بچہ کو مار ڈالیگا۔ دیکھو دیکھو یہ بچہ مار ڈالا۔ کس کا لاڈلا تھا۔ کیسا پھول سا کملایا پڑا ہے۔

ہائیں۔ سب چپ کھڑے ہیں۔ کوئی نہیں بولتا۔ یہ بچہ کون لایا تھا۔ بھائی نے اسے کیوں مار ڈالا۔ میرا پتی باسدیو بھی چپ ہے۔ اسنے بھی پرائے بچہ کو نہ بچایا۔

ہائے ایک ہوک کلیجہ میں اُٹھی۔ جگر کٹا جاتا ہے۔ دل پھٹا جاتا ہے۔ سینہ میں آگ لگی۔ آنکھیں اُبکائیاں لیتی ہیں۔ شعلوں کے آنسوؤں کی قے کرتی ہیں۔ یہ تو میرا ہی لال ہے۔ لال پھول کا سہرا بندھا ہے۔ یہ تو میرا ہی دل جاتا ہے۔ آہ میرا بیٹا ہے۔ میرا

پیتا ہے۔ میرے سوکھے تالاب کا کنواں ہے۔

کہاں ہے۔ نہیں ہے۔ مرگیا۔ مار ڈالا گیا۔ اب نہیں ہے۔ آیا ہی نہیں تھا۔ اُف۔
اُف۔ کہتے کہتے ہاتھ مُنہ پر رکھ لیئے۔

باسدیو مرد تھا دیوکی کی طرح دیوانہ نہیں ہوا۔ مگر غم نے اس کا حال بھی غیر کر دیا تھا۔
کلیجہ میں اُکی کھٹک چند روز۔

نکلتے نکلتے نکل ہی گئی

آخر جی ٹھہر گئے۔ غمزدوں کو قرار آ گیا۔ دن گزرنے لگے۔ راتیں بسر ہونے لگیں
بھول کے پانی سے غبارہ ہوئے۔ صبر کے مرہم نے کلیجہ کے زخموں پر کھرنڈ جمائے
یہ ہو چکا تو اور امید ہوئی۔ نو مہینہ کے بعد دوسرا ستارہ چمکا۔ مگر وہ بھی کنس کی
شیطانی جلن پر شہابہ بنکر ٹوٹا اور ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔

خیال کرنا باسدیو اور دیوکی کے دل پر ہاتھ دھرنا۔ کیا کہتا ہوگا۔ دو کلیاں کھلنے سے
پہلے ظالم نے پیروں میں مل دیں۔ اور یہ بچارے کچھ نہ کر سکے۔ اور دو کیا ان دو کے
بعد چار بچے اور ہوئے ان کو بھی قصائی ماموں نے اپنے فانی تاج پر قربانی چڑھایا۔

متھرا میں جو سنتا کلیجہ تھام کے رہ جاتا۔ باسدیو اور دیوکی کی بے چارگی پر آنسو بہاتا
کنس سے پہلے ہی کون خوش تھا۔ ان حرکتوں نے اور بھی ہل چل ڈال دی تھی۔ بچہ بچہ
کنس کے نام پر لعنت بھیجتا تھا۔ اور اسکی بربادی کی دعائیں مانگتا تھا۔ حد تھی سگی
بہن کے چھ جگر کے ٹکڑے کاٹ ڈالے اور دربار میں کسی خدا کے بندے کو بولنے کی
ہمت نہ ہوئی۔ ہمت کرتا کون جو پاس رہتے تھے اپنے تاج کی خیر مناتے تھے۔ اور وہ
کنس کے دم سے سلامت تھا۔ پھر وہ کیوں ان بچوں کی سفارش کرتے جن سے تاج
کنس کو خطرہ مشہور تھا۔ اور جو خدا لگتی کہنے والے تھے ان کی دربار تک رسائی
نہ تھی۔

بلرام کا حمل

دیوکی کو ساتواں حمل ہوا۔ یہ دن کیا آتے تھے ماں باپ کو کانٹوں کی سیج پر سلاتے تھے۔ ساتواں حمل سنتے ہی باسدیو نے ٹھان لی کہ اس بچّہ کو خونی کے چنگل سے بچانا چاہیئے۔ تدبیروں سے کے بازجیلوں کی چڑیاں پکڑ پکڑ کر لانے لگے۔ متھرا کے قریب گوکل نامی بستی تھی۔ جہاں گائیں پالنے والے لوگ رہتے تھے۔ وہیں باسدیو کی دوسری بیوی روہنی رہتی تھی۔ تجویز ٹھہری کہ اس کا بچہ روہنی کے ہاں بھیجدیا جائے۔ اور یہی ہوا۔ بلرام پیدا ہوئے۔ اور چپ چپاتے گوکل پہنچائے گئے۔ محل میں مشہور ہوا دیوکی کا یہ حمل گر گیا۔ کنس نے بہت تحقیق کیا۔ مگر بھید نہ کھلا۔

بعض کہتے ہیں بلرام دیوکی کے شکم سے نہیں روہنی ہی کے پیٹ سے ہوئے تھے۔ حاصل یہ ہے کہ بلرام کسی ماں سے ہوں باسدیو کے لختِ جگر تھے۔ اور کنس کے ظلم سے خدا نے ان کو بچا لیا تھا۔

خود بدولت کی آمد

اب سنیئے آٹھواں حمل دیوکی کو معلوم ہوا۔ اسیکا بڑا ڈر تھا۔ نجومیوں نے آٹھویں حمل کی پیشین گوئی کی تھی۔ پہلے کے چھ قتل تو احتیاطاً تھے۔ اصل مقصود یہی آٹھواں تھا۔ اُدھر کنس جھڑجھڑی لیکر چوکنا ہوا۔ اِدھر باسدیو دیوکی اور ان کے مخفی ہوا خواہوں نے حفاظت کے توڑ جوڑ شروع کئے۔ کنس کے بندھن بڑھنے لگے۔ باسدیو اور دیوکی اول دن سے ایک خاص محل میں نظربند تھے۔ اس حمل کی سنکر نظربندی کی قید کڑی ہوئی۔ پہرے بڑھا دیئے گئے۔ دیکھ بھال۔ روک ٹوک میں اضافہ ہوئے۔

ایک دن دیوکی جمنا میں نہانے گئی تھیں۔ پورے دن ہو چکے تھے۔ اور ان کو ہر وقت آنیوالے غم کا سانسا لگا رہتا تھا۔ دیکھا دریا پر گوکل کی ایک اور نیک عورت اشنان کر رہی ہے

دنیا کے سب آدمیوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں مگر اس بچہ کی ولادت میں عجب شان ہے
اندھیرا کانپ رہا ہے۔ چہرہ پر زردی چھائی ہے۔ سہم کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔ زندان
خانہ کی دیواریں غوق دید میں جھکی پڑتی ہیں۔ باہر بادل نقارہ بجاتا ہے۔ ہوا ترہی
پھونکتی ہے۔ بجلی بان چھوڑتی ہے۔ بوندیں ابر کی کمانوں سے تیر بن بنکر آتی ہیں۔
اندر خاموشی کو برسوں کے بعد زبان ملی ہے۔ ہوشیار باش نگاہ دار کی صدا
لگائی ہے۔

آج اُس سپہ دار اعظم سیناپتی کمانڈر راج ہند کی آمد ہے جسکی فوجیں پراگندہ
پھرتی تھیں۔ جو براعظم ہندوستان کا سب سے بڑا قائد الجیوش سپہ سالار ہے۔ آج زمین
کے چہرہ پہ وہ آنکھ نمودار ہوتی ہے جسکی دید خاک و افلاک تک محیط ہے۔ یہ غلغلہ اُسکی
تشریف آوری کا ہے۔ جو رزم میں بزم میں۔ دُکھ میں سُکھ میں۔ جینے میں مرنے میں
زندگی کے ہر کونے میں ہندی انسانوں کا غمگسار ہے۔ بڑوں کا سردار ہے چھوٹوں
کا دلدار ہے۔

صاف سنو۔ استقبال کو آگے بڑھو۔ کرشن جی پیدا ہوتے ہیں۔ نور کی چادر
تانو۔ اس سِرّ الٰہی کو اغیار کی آنکھوں سے بچاؤ۔ چھپاؤ۔ جلدی چھپاؤ۔ ابلیس کی نظر نہ لگ جائے
باسدیو نے گود پھیلائی۔ دیوکی نے گود اُٹھائی۔ خدا کی دین کا دونوں میں لین دین
ہوا۔ ماتا نے اپنا دیا پتا کے آغوش میں دیا۔ پتا نے جگمگاتا تارا سینہ سے لگایا۔ اور باہر کا
رستہ لیا۔ نیک ارواحیں مٹی کی آنکھوں سے پوشیدہ اس نور کے پتلے کے ساتھ
ہوئیں۔ دروازہ کے دربانوں کو سُلا دیا۔ اور وہ تو پہلے ہی گناہ کی تاریکی سے
اندھے ہو چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں باسدیو سے مل گئے تھے۔ اس بچہ کی حفاظت
میں امدو دینے کا قول ہار چکے تھے۔ جان بوجھ کر غافل ہو گئے۔ اور باسدیو بلا تردد
محل سے نکلے چلے گئے۔

ابر برس چکا تھا آسمان صاف تھا۔ تارے جھلملاتے تھے۔ خدا کے پیارے پر جو باسدیو کی گود میں تھا اپنا شیریں نور برساتے تھے۔ غیب کے تماشے جن آنکھوں کو نظر آتے ہیں اُنہوں نے دیکھا شیش ناگ نے اپنے پھن کا سایہ بچہ پر کر رکھا ہے۔ جو عقل کے کوچہ سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔ ہر عجوبہ کی تاویل کرنیکے عادی ہیں۔ بولے ناگ ایک قوم تھی۔ اسکے سردار نے اس وقت باسدیو کی مدد کی تھی۔ میں نے کہا۔ ناگ اژدہا ہو یا آدمی فرشتہ ہو یا شیطان۔ ایک مظلوم شخص کا غیبی حمایت کار تھا۔

باسدیو جمنا کے کنارے پہنچے۔ بھادوں کے مینہ کا دریا کناروں سے اُبلا ہوا جوش کے چڑھاؤ میں چڑھا ہوا آبی دامنوں کو جنگل میں پھیلائے سیاہیانہ کف منہ میں بھرے سائیں سائیں کرتا بہتا چلا جاتا تھا۔ جوں ہی باسدیو حدت کا سمندر گود میں اُٹھائے اسکے کنارے آئے۔ جمنا خوشی سے لہرائی اُنتظار کے آنسوؤں کو پینے لگی۔ پھیلے ہوئے پانی کو سمیٹنے لگی۔ اس کا کمڑا پانی بیٹھ گیا۔ اور بیٹی تہ کھڑی ہو گئی۔ پھر گہرائی کیونکر رہتا۔ دریا پایاب ہو گیا کشتی کی ضرورت نہ رہی۔ باسدیو اسمیں گھسے چلے گئے اور پار اُتر گئے۔

نئی روشنی کی عقلیں پھر غوطہ کھائیں گی۔ بغیر کشتی کے پار جانے میں ان کو تعجب و انکار ہو گا۔ مگر سچے مسلمان تو ان کرشموں کے قائل ہیں قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو دریائے نیل نے راستہ دیدیا تھا۔ اور اسمیں خود بخود بارہ سڑکیں بن گئی تھیں۔ عقلاً غور کرو تو بہتیری مثالیں ایسی ملیں گی کہ دریا کو بغیر کشتی کے عبور کر لیا اور کسی کا بال بیکا نہ ہوا۔ رسول خدا صلعم کے اصحاب نے ایران پر حملہ کیا۔ دریا کے اُس پار غنیم کی فوج تھی۔ اِس پار مسلمان تھے۔ دریا کی طغیانی کشتیاں ناپید۔ سپہ سالار لشکر نے حکم دیا گھوڑے دریا میں ڈال دو۔ سپاہ نے تعمیل کی۔ سب خدا کا نام لے کر کود پڑے۔ حریف ایرانی یہ جرأت دیکھکر ڈر گئے۔ بولے۔ یہ آدمی نہیں جنات ہیں۔ یہ کہکر

بھاگ نکلے۔ صحیح روایت ہو کہ مسلمانوں کی فوج کا ذرا نقصان نہوا اور انہوں نے پار جاکر ملک فتح کر لیا۔

ایسا ہی قصہ بابر بادشاہ کا تاریخوں میں مذکور ہے۔ وہ بھی گنگا کی طغیانی میں تلوار ہاتھ میں لیکر کود گیا تھا اور فوج کو تیراتا ہوا پار سے پہنچا تھا۔

باسدیوٗ کے لیئے اور ان کے اس بیٹے کے واسطے دریا کا خشک ہوجانا جو خدا کا مقبول تھا کچھ عجیب نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ باسدیوٗ کی ہمت اور قوت ارادی کشتی بنگئی اور وہ چڑہے دریا میں بے خوف وخطر تیرتے ہوئے دریا پار نکل گئے۔

پار جاکر کرشن جی کو جسودہا کی گود میں دیا۔ اور اُسکی بیٹی کو اپنی گود میں اُٹھا پھر متھرا آ گئے۔

صبح ہوئی۔ دیوکی کے ہاں بچہ ہونے کی اطلاع اُس موذی کنس کو دی گئی جو اس گھڑی کے انتظار میں برسوں سے سینہ میں دل دہڑکا رہا تھا۔ سنتے ہی آندہی کے جھونکے کی طرح دیوکی کے محل میں گھُسا تاکہ ٹمٹماتے چراغ کو بجھا دے۔ اور اپنے ظلم کے تاریک گھر میں اطمینان کی شمع جلائے۔

باسدیوٗ اور دیوکی ہاتھ جوڑتے ہوئے اُٹھے۔ قتل بے گناہ میں اپنی ناتواں آوازوں سے مزاحمت کرنی چاہی۔ مگر اس بگولہ کے سامنے باسدیوٗ اور دیوکی کے ذرات خاک کیا ٹھہر سکتے تھے۔ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کنس نے معصوم بچہ کو اُٹھایا اور پھرا کر دے مارا۔ بے زبان بچی کا آناً فاناً میں دم نکل گیا۔ کنس کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑی اور اندیشہ کا کام تمام کر چکا تو بچہ کو غور سے دیکھا۔ معلوم ہوا لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ حیران ہوا یہ خبر تو لڑکے کی تھی۔ یہ آٹھواں بچہ ہے۔ نجومی کہہ چکے ہیں آٹھویں حمل سے لڑکا ہوگا اور وہی تیرے تاج وتخت اور تیری جان کا لیوا ہے۔ پھر یہ کیا؟ یہ تو لڑکی ہے۔ دھوکا تو نہیں ہوا۔ فریب تو نہیں دیا گیا۔ ضرور دال میں کالا ہے۔ باسدیوٗ نے اپنی

یہ اس قصر فقر کی صورت تھی جس میں بادشاہ اقلیم وحدت کی چھوٹی سی مورت گمنام جسودہا کی گود میں عیش کرتی تھی۔

جسودہا اس راج کمار کو سینہ سے لگاتی۔ اور اپنی قسمت پر ہزاروں ناز دل ہی دل میں کرتی تھی۔ اُسے خبر نہ تھی کہ میں دنیا کے مشہور سپاہی۔ نامی تاجدار۔ ہر دل عزیز۔ پیشوائے دین کی دائی ہوں۔ اور اسکے قدموں کی برکت سے میرا نام قیامت تک زندہ رہیگا۔ اسنے تو مظلوم دیوکی کا بے غرض محبت سے ساتھ دیا تھا۔ اس کو مال دنیا کی باسدیو اور دیوکی جیسے قیدیوں سے اُمید نہ تھی جسودہا نے اپنی ہریالی کونپل کو دوسرے کے پھول پر کسی لالچ سے قربان نہ کیا تھا۔ اور دنیا میں اولاد کو کوئی شخص بھی طمع پر نثار نہیں کیا کرتا۔ یہ کرشمہ جب نظر آتا ہے محبت ہی کا اکثر اسمیں دخل ہوتا ہے۔ یہ محبت ہی تھی جس نے جسودہا کو اندھا کر دیا۔ اور اُسنے اپنی بیٹی ہلاک کرا کے دیوکی کے بیٹے کو بچایا۔ مگر محبت کا اندھاپن دل کی آنکھیں روشن کر دیتا ہے۔ چنانچہ خدا نے جسودہا کو دل کی آنکھ دی اور اُس کا رتبہ دنیا کی جھوٹی دولت والیوں سے بڑھا دیا۔ سلام تجھپر اے غریب گوالن کی گود ٹھنڈی کرنے والے۔ سلام تجھپر اے گمناموں کے نام کو چار چاند لگانے والے۔ اے وہ جو ایک مفلس دودھ والی کی آغوش میں امیروں کی پھولوں کی سیج سے زیادہ آرام میں پاؤں پھیلا کے سوتا ہے تجھپر ہزاروں سلام۔

سُناؤنی

جسودہا کی گود راج کمار سے آباد ہوئی۔ رات گئی۔ سچائی کا سویرا نمودار ہوا جسودہا دیکھتی تھی کہ یہ بچہ نور کا پتلا ہے۔ اس کے گھر میں آتے ہی صبح کا نور نکل آیا۔ اپنے نئے جہان کے چاؤ چوچلے میں لگی ہوئی تھی۔ وہ دہی نہ بلو یا تھا کہ متھرا سے ایک سناؤنی آئی۔ جس خبر کے سننے کا جسودہا کو یقین نہ تھا سورج نکلتے ہی کان میں پڑی کہ اسکی بیٹی کو کنس نے دیوکی کے بیٹے کے عوض مار ڈالا۔ وہ سمجھتی تھی نجومیوں نے

کنس کو بیٹے کی خبر دی ہے۔ جب وہ دیکھے گا کہ یہ لڑکا نہیں لڑکی ہے تو چپ ہو جائیگا نجومیوں کی غلط بیانی پر غصہ کرے گا اور میری ایک دن کی معصومہ کو چھوڑ دے گا توقع انسان کو تکلیف دیا کرتی ہے۔ اگر جسودا یہ توقع نہ کرتی تو اس کو اپنی لڑکی کے مارے جانے کا اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کا دل پہلے سے اس غم کے لیئے آمادہ اور تیار ہو جاتا۔ لیکن کرشن جی نے سب سے پہلا سبق اپنی دائی کو دیا۔ بچے بنے ہوئے چپکے پڑے رہے۔ اور جسودا کو بتا دیا کہ انسان کو ہر وقت دنیا سے بے تعلق رہنا چاہیئے۔ جسودا نے باوجود اتنی بڑی قربانی کے ایک بشری اُمید کا قصہ لگا رکھا تھا۔ قدرت نے اسکو کاٹ ڈالا اور عورت جسودا کو میدان عشق کا پورا مرد بنا دیا۔

جس وقت جسودا نے سُنا کہ اُسکی بیٹی کنس کے ہاتھوں ایسی بے دردی سے ماری گئی تو وہ بے اختیار ہو گئی۔ اس نے کرشن کو چھاتی سے لگا کر دبوچ لیا۔ ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔ اور زبان حال سے یہ کہنے لگی۔

دیوکی کے پتر! میری پتری مر گئی۔ باسدیو کے دل جانی! میری جان بے جان ہو گئی۔ سنتا ہے؟ تیرے ماموں نے مجھ غریب کو لوٹ لیا،

مَیں نے سانچ کی آنچ پر اپنی دُلاری کو بھینٹ چڑھا دیا۔ کلیجہ کی کور کو خود کٹوا دیا۔ آنکھ کی پتلی میں آپ ہی تکلا مار لیا۔

میرے کنور! اٹھ۔ اور اپنی ستم رسیدہ دائی کا بدلہ اس پاپی سے لے جس نے میرے باغ کا ننھا پھول توڑ لیا۔ دیکھ میری گائے اپنی بچھیا کو دودھ پلاتی ہے۔ اور وہ بچھیا بے دودھ پیئے مر گئی جسکو مجھ گو نے جنا تھا۔

اُس جانہار کو یہ خبر نہ ہوگی کہ اُسکی قصائی ماں اس کو حلال کرانے بھیجی ہے۔ وہ دنیا میں رہنے کو آئی تھی میں نے اس کو نہ رہنے دیا۔ اسکے دل میں کچھ دیکھنے کے ارمان تھے۔ میں نے کچھ نہ دیکھنے دیا۔ اُسکے ارمانوں کو خاک

میں ملا دیا۔

اولاد والیوں سے پوچھنا۔ میرے دل کی آگ کی جلن وہ بتائیں گی۔
اور کہنا جسودہا کی بیٹی قتل ہو گئی ہے۔ جسودہا اس کا کیونکر ماتم کرے۔ جسودہا
دوسرے کی ممتا کو پال رہی ہے۔ ایسا نہ ہو اپنی ممتا کے غم میں اس بچہ
کی بدشگونی ہو جائے۔

دیوکی! تو کچھ خیال نہ کیجو۔ جسودہا صبر کی بندی ہے۔ اس نے کلیجہ پر
پتھر رکھ لیا۔ وہ ہنستی رہیگی اور دل کے رونے کو چھپائے گی۔ تو اپنے
لال کا فکر نہ کر۔ میری لاڑی ٹوٹ گئی۔ ٹوٹ جانے دے۔ یہ گود کا ہیرا
سلامت رہے۔ تو میں اپنی آنکھ کے موتی کو بھول جاؤں گی۔
باسدیو آ۔ میرے پتی۔ (شوہر) نند کو سمجھا۔ وہ اپنی بچی کے فراق سے بے چین
ہوا جاتا ہے۔ میں کلیجہ کو مسوسوں۔ تیرے بچہ کو تھاموں۔ یا نند کو
سنبھالوں۔

وہ چلا۔ جان چلی۔ دونوں برابر کہسکے + اسکو تھاموں یا اپنے پیر پڑوں کس کسکے
جسودہا کی گود جب زندگی کی پہلی رتھ بنی جسکی رتھ بانی کرشن نے کی اس وقت
وہ چپ تھے۔ اور بنے ہوئے غافل تھے۔ یا نا سمجھ بچے تھے۔ مگر قدرت انکا لکچر۔ انکا اپدیش
ان کا خطبہ۔ ان کی تقریر جسودہا کو اسی طرح سنا رہی تھی جس طرح بڑے ہو کر انہوں نے
ارجن کو اس کا رتھ بان بنکر مہابھارت کے وقت وعظ سنایا تھا۔
قدرت کی خاموش اپدیش نے جسودہا کا دل مطمئن کر دیا۔ جیسا کہ ارجن کا دل گرمایا
گیا تھا۔ جسودہا کو اپنا فرض یاد آگیا۔ جیسے ارجن کو اس کا فرض یاد دلایا گیا تھا۔
خدا کے پیام کو ہمیشہ پہلے عورت نے مانا ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ حضرت
موسیٰؑ پر مردوں سے پہلے ایمان لائی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ خاتون محترم حضرت محمد

مسلمانوں سے سب سے اول اپنے خاوند کا دین اسلام قبول کیا۔

اسی طرح ہندوستان کے اس فلاسفر کے فلسفہ حیات و فرائض پر جس ہستی نے سب سے پیشتر سر جھکایا وہ بھی عورت تھی۔ اور اس نگین کا نام جسو دہا تھا۔

جسودہا نے ہندوستان کی غریب رعایا کی اس محبت کو جو اپنے حاکموں سے رکھتی ہے قیامت تک کے لیئے مجسم بنا کر کھڑا کر دیا۔ جسودہا نے اپنی بیٹی کو چھری کے تلے رکھدیا۔ اور دنیا والوں سے کہہ گئی کہ ہندوستان والے اپنے بادشاہ پر یوں اولاد نچھاور کیا کرتے ہیں۔ اسنے بتایا کہ رعایا پر اپنے محافظ حاکم کے بڑے بڑے حق ہیں اور جان و مال کی قربانی بھی ان میں سے ایک ہے۔ اسی واسطے اس نے اپنی بیٹی دیوکی کے راج کنور پر فدا کر دی۔

جسودہا نے اس مثال میں یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستانی عورتیں بیکسوں اور مظلوموں کی حمایت میں ایسے کام کر سکتی ہیں جو دوسرے ملکوں کے مردوں سے بھی دشوار ہیں۔ زندہ باش نام جسودہا۔ پائندہ باش کام جسودہا۔ جسے جسودہا کے پریم کی۔ اور عاشق وفاداری کی۔

تیسری بیتی

اَوّلُ النہارُ

دن کی شروعات

دودھ کے تالاب میں کرشن کا سفید کنول کھلا۔ بارہ گھنٹہ ورج نے بارہ گھنٹہ چاندنے سایہ ڈال کر اس کنول کو پالنا شروع کیا۔ جنگل کی صاف ہوا نے پنکھے جھلے۔ جمنا کے پاک پانی نے ہاتھ منہ دھلائے۔ اور اس طرح اس روشن دن کی پرورش ہونے لگی جس کو قدرت نے ہندوستان کی تاریکیاں اور ظلم کی شب دیجور دور و فنا

کرنے کے لیئے بھیجا تھا۔

وہ وقت بھی آیا کرشن جی نے طفلی کا پردہ اُٹھایا۔ جسودا کی گود سے نیچے اُترے بیٹھنا سیکھا۔ کھڑا ہونا سیکھا۔ چلنے پھرنے لگے۔ گویا یئے سمجھے لڑکا ہوش میں آیا۔ ہاتف نے آواز دی یہ بے ہوش کب تھا۔ عالم اسباب کی شکل بشر میں آیا تھا۔ اس واسطے کچھ دن چپ چاپ پڑا رہا۔ ورنہ یہ ازلی ہوش وحواس کا خزانہ لیکر زمین پر اترا تھا۔ اسکو عمر کے ان تغیرات کی محتاجی نہ تھی جسکو تم بچپن جوانی بڑھاپا کہتے ہو۔

اب کرشن کنہیا دوڑنے تھے۔ اُچھلتے تھے۔ کودتے تھے۔ اور پڑوس کے گھروں میں گھس جاتے تھے۔ وہاں جاکر جس چیز کو دیکھتے شوخی سے پھینک دیتے۔ پانی کے برتن پھوڑ ڈالتے۔ دودھ اوندھا دیتے دہی بکھیر دیتے مکھن خراب کرتے جی میں آتا تو بے خطر ہو کر مکھن دودھ جتنا کھایا جاتا کھا جائے ایک دن ہو دو دن ہو تین دن ہو۔ کرشن کنہیا کی یہ حرکتیں روزمرہ ہونے لگیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی شخص حرف شکایت زبان پر لاتا ہو۔ گوالیئے نقصان پر نقصان اُٹھاتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ کیونکہ کرشن جی غیب کی ایک ایسی طاقت ساتھ لائے تھے جس نے شروع سے ان کی محبت انسانوں کے دلوں میں بھر دی تھی۔ اور خلقت کی طبیعتیں خود بخود ان کی طرف کھنچتی تہیں۔ عورت۔ مرد۔ بچے بڑے کی قید نہ تھی ہر درجہ اور عمر کا آدمی کرشن سے پیار اور لگاؤ رکھتا تھا۔

دُنیا میں نوجوان لڑکیوں اور کرشن کی محبتوں کے افسانے مشہور ہیں یہ لڑکیاں ان ہی گوپیوں یعنے گوالیوں کی تھیں۔ گوپیاں نام اسی نسبت سے ہے۔ مگر کرشن جی کا تعلق فقط لڑکیوں سے مخصوص نہ تھا۔ گوکل کے سب باشندے ان کے شیفتہ و فریفتہ تھے۔ قصے کہنے والوں نے صرف ایک حصہ کو لے لیا۔ اور کرشن کو بدنام کر دیا۔ حالانکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کرشن جی کا گوکل کی جوان لڑکیوں سے تعلق تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ گوپیوں (گوالیوں) نے اسکو

کیونکر گوارا کر لیا۔ حالانکہ وہ صحرائی بڑے باغیرت وحمیت تھے وہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ متھرا کا ایک اجنبی آدمی ان کی لڑکیوں سے ناجائز تعلق رکھے۔ پس صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرشن اور گوپیوں کا تعلق بالکل پاکبازانہ تھا۔ اور گوپوں کو کرشن پر ہر طرح اطمینان تھا۔

کرشن جی کے اس عالم خردسالی سے معلوم ہوتا ہے جس کو دکھا رہا ہوں کہ انپر گوکل کے سب رہنے والے جان دیتے تھے۔ اور اس وقت جبکہ کرشن تین چار برس کے تھے تمام گوپ لوگوں کا کھلونا بنے ہوئے تھے۔ مرد بھی ان کے عاشق تھے۔ عورتیں بھی بوڑھی ہوں یا جوان انپر جان دیتی تھیں۔ لڑکیاں اور لڑکے ایک دم کو کرشن سے الگ ہونا گوارا نہ کرتے تھے۔ یہی الفت تھی جو کرشن جی کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی۔ اور اتنی بڑھی کہ مجہولوں نے ان سے نفسانی نتیجے نکال لیے۔

جب کرشن کنھیا چار پانچ برس کے ہو گئے تو گوپ لڑکوں کے ساتھ گائیں چرانے لگے۔ جنگل میں بھی ان کی شوخی قایم رہتی تھی۔ اس شوخی کے ساتھ دلیری بھی اعلی درجہ کی تھی۔ خونی سانڈوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے خطرناک جانوروں پر حملہ کرکے اپنی جرأت کا ثبوت دیتے تھے۔ جسپر بہت سی حکایتیں بعید از قیاس مشہور ہیں مگر قیاس کو ناکارہ عقلوں کو غیبی کرشموں میں دخل دینے کا کچھ حق نہیں۔ اس واسطے ہر حکایت کو تسلیم کرنا چاہیئے۔

بانسری

اسی طفلی اور گائیں چرانے کے زمانے میں کرشن جی نے بانسری بجانی سیکھی وہ اس وقت کے دستور کے موافق ناچتے بھی خوب تھے۔ اور آواز تو ان کی ایسی شیریں و دلکش تھی کہ جب وہ گانے کھڑے ہوتے تو تھے سننے والے بے حس و حرکت اور بیخود ہو جاتے تھے۔

بے فکری میں سری کرشن کے آس پاس جمع ہوتے۔ اور انکی بانسری کے نغمے سنتے۔
سری کرشن اور ان کے بھائی بلرام نہایت حسین تھے۔ اور تمام گوپ فرقہ کے بچوں میں ان دونوں کی صورتیں الگ پہچانی جاتی تہیں۔ مگر گوپ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ بچے جسودہا اور نند کے ہیں۔ یہ خبر کسیکو نہ تھی کہ متھرا کے شہزادے ان میں پل رہے ہیں۔ اس راز کو صرف نند اور جسودہا ہی جانتے تھے۔

اس کے باوجود کہ گوپ سری کرشن اور بلرام کو اپنے قبیلہ کا سمجھتے تھے۔ ان پر سری کرشن کا بڑا اثر تھا۔ اور خود بخود ایسی حالت ہو گئی تھی کہ گوپوں کی لڑکیاں اور لڑکے جوان سے کے ہم عمر تھے ان کی عزت اس طرح کرتے تھے گویا یہ دونوں انکے سردار ہیں۔

اسکی وجہ ایک تو یہ تھی کہ سری کرشن کا پالنے والا نند اور اسکی بیوی جسودہا اپنے فرقہ گوپ میں ذی عزت تھے۔ دوسری یہ کہ ان دونوں کرشن و بلرام کی شکلیں سب سے اچھی اور ممتاز تھیں۔ تیسری یہ کہ شاہی نسل میں ہونے کے سبب قدرتاً بھی ان کا رعب ان جنگلی باشندوں پر پڑتا تھا۔ اور سری کرشن باوجود خرد سالی کے ان سب کے بڑے بنے ہوئے تھے۔ جس جگہ جا کر بیٹھتے سارے گوپ بھی وہاں جمع ہو جاتے۔ جو کام کرتے گوپ بھی اسمیں حصہ لیتے۔ جس طرف ان کی رغبت ہوتی گوپ بھی اُدھر ہی رغبت ظاہر کرتے۔

سری کرشن کی آواز بھی قیامت کی تھی۔ وہ بہت ہی اچھا گاتے تھے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ناچنا بھی خوب آتا تھا۔ ہم مسلمان ناچنے کے لفظ پر چونکتے ہوں گے۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس سے سری کرشن کی عظمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ کیونکہ یہ رقص اسوقت کے ہندوؤں کا قومی دستور تھا۔ اور ہر ذات کے ادنیٰ اعلےٰ امیر غریب لوگ ناچا کرتے تھے جیسے آجکل انگریز اور یورپ والے معمولی آدمی سے

لیکر بادشاہ ڈنک بیویوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ اور اس قومی عادت پر کوئی شخص اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

سری کرشن رات کی ان صحبتوں میں بانسلی بجاتے۔ گانا گاتے اور کبھی کبھی رقص بھی کرتے۔ اور ان کے ساتھ گوپ فرقہ کے لڑکے اور لڑکیاں بھی ناچتی گاتی تھیں۔ اس عام ہمنشینی کی مجلسوں نے بعض لوگوں کو جن میں خوش اعتقاد ہندو زیادہ ہیں یہ قیاس کرنے کا موقع دیا کہ سری کرشن گوپ فرقہ کی جوان لڑکیوں یعنے گوپیوں سے ناجائز برتاؤ کرتے تھے اور ان کی یہ عمر ہر وقت کی زناکاریوں میں بسر ہوتی تھی۔

یہ قیاس جو بعد میں اصلیت اور واقعیت کے لباس میں مشہور ہو گیا سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس لئے نہیں کہ سری کرشن کو خواہ مخواہ الزامات سے بری کرنا میرا مقصود ہے۔ بلکہ اسواسطے کہ حالات کا تقاضا ان روایتوں کے سراسر خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ سری کرشن کی عمر اس زمانہ میں صرف بارہ برس کی تھی۔ بارہ سال کی عمر میں خواہ کیسا ہی تندرست بچہ ہو اس قابل ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ جوان عورتوں کے ساتھ مصروف زناکاری ہو سکے۔ اور یہ تمام معتبر ہندو کتابوں سے ثابت ہے کہ سری کرشن نے جب اپنے ظالم ماموں راجہ کنس کو قتل کیا ہے تو ان کی عمر بارہ سال کی تھی۔ سوائے ایک روایت کے جس میں ان کی عمر سولہ برس کی لکھی ہے۔ اگر اس سولہ سال کی روایت ہی کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی گوپیوں سے حرام کاری ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ سولہ برس کی عمر میں کنس کو مارا ہے۔ اور یہ سب قصے عیاشی کے اس عمر سے پہلے کے ہیں۔

جو تصویر کنس کے مارنے کی میں نے اس کتاب میں دی ہے وہ اُن ہندوؤں سے حاصل ہوئی ہے جو عملاً بے باکی سے سری کرشن کے عاشقانہ اور عیاشانہ طرز عمل کو مانتے ہیں۔ تب بھی اس تصویر میں سری کرشن کو ایک طفل کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ جب کنس کے ہلاک کرنے کے وقت وہ اتنے ذرا سے طفل معصوم تھے تو سابقہ عمر میں گوپیوں سے

زناکاری اُنہوں نے کیسے کی۔
سب سے بڑا ثبوت سری کرشن کی پاکبازی کا یہ ہے کہ وہ ہر وقت گوپ مردوں عورتوں
لڑکوں لڑکیوں میں گھرے رہتے تھے۔ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ ان کو کبھی لڑکیوں
سے تنہائی کا بھی موقع ملتا تھا تو پھر ان کو حرام کاری کا وقت کب اور کہاں مل سکتا تھا۔
گوپ فرقہ کی سکونت جنگل میں تھی۔ جہاں بڑے بڑے مکان اور عیبوں کے چھپانے
کے لیئے در و دیوار نہ تھے۔ کھلے میدان میں سری کرشن کو علانیہ ہوس بازی کی اجازت
کون دے سکتا تھا۔

صحرائی اور جنگلی قومیں بڑی غیرت دار اور آبرو کی پاسداری کرنے والی ہوتی ہیں۔
اگر وہ اپنی لڑکیوں کے ساتھ سری کرشن کی ذرا بھی بدنگاہی دیکھتے تو کیونکر ممکن تھا کہ
وہ ان کو یا ان کے پالنے والے نند وجسودا کو زندہ چھوڑ دیتے۔ بخلاف اسکے وہ تو سب
پروانوں کی طرح سری کرشن کے فریفتہ اور شیفتہ تھے۔

سری کرشن کی جوانی اور عروج کے زمانہ میں ان کے بہت سے دشمن بھی تھے۔ ان
دشمنوں میں ششو پال راجہ نے ایک درباری بحث میں جس کا ذکر آگے آئے گا سری
کرشن پر ہر قسم کے عیب لگائے مگر حرام کاری کا الزام اُس نے نہ لگایا اگر یہ بات سچ
ہوتی تو جلسہ عام میں ششو پال جیسے حریف کو زنا کا الزام بیان کرنے اور مجمع کو انکے خلاف
کر دینے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ مگر اس نے الزامات میں اس قسم کا ایک حرف بھی نہیں کہا۔ حالانکہ
وہ سری کرشن کا عزیز تھا۔ اور اُن کی تمام زندگی سے واقف تھا۔ اُس وقت کے دلیر سچے
پاکباز۔ اور اکثر بڑے بڑے زاہد عالم ہندو سری کرشن کے آگے سر جھکاتے اور اُن کو اوتار
مانتے تھے۔ اگر سری کرشن کی زندگی میں یہ حرام کاریاں ہوتیں تو وہ نیک لوگ کبھی انکو اوتار
تسلیم نہ کرتے۔ اور ان کے آگے سر نہ جھکاتے۔

غرض صدہا ثبوت اس کے ہیں کہ سری کرشن کی عیاشی اور گوپیوں سے ناروا مصروفیت کا

قیاس بالکل جھوٹا غلط اور بہتان عظیم ہے۔ اور اس مرد خدا کی زندگی اِن گناہوں سے سراسر پاک اور بے لوث تھی۔

بے شک وہ گوپیوں کو گانا اور باجہ سُناتے تھے۔ بے شک وہ ان کے ہمراہ رقص کرتے تھے۔ بے شک ان کی طفلی کا زمانہ خوب رنگ رلیوں میں بسر ہوتا تھا۔ مگر ان مجالس عیش میں صرف گوپیاں ہی نہیں اُنکے ماں باپ بھی شریک ہوتے تھے اُنکے لڑکے بھی شامل ہوتے تھے۔ اور یہ سب حالات ایسے تھے جن میں اسوقت کے عام دستور تفریح اور زندہ مزاجی کے سوا کسی ناجائز فعل کو دخل نہ تھا۔

پھر کون کہہ سکتا ہے اور کہاں سے کہہ سکتا ہے کہ سری کرشن جیسے پیشوا ئے دین نے (توبہ توبہ) حرام کاریاں کیں۔

اے میرے بھائی مسلمانو تم ہرگز بعض جاہل ہندوؤں کی روایتوں پر کچھ خیال نہ کرنا کیونکہ تم پر تمہارے مذہب نے لازم کیا ہے کہ ہر دین کے ہادی کی عزت کرو۔ اور اُسکو ایسے جھوٹے الزاموں سے پاک سمجھو۔

سری کرشن پر یہ سراسر بہتان ہیں۔ اور کوئی دلیل کوئی تاریخی شہادت۔ کوئی پکا ثبوت اس کا موجود نہیں ہے کہ سری کرشن زناکار تھے۔ میں نے ہندو کتابوں کو خوب غور سے دیکھ لیا۔ کہیں بھی ان واقعات کا نشان نہیں ملتا۔ جو خود سری کرشن کے پجاری انپر تھوپتے ہیں۔

تم کہوگے کہ جب ان کے پیرو خود ایسا کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں۔

میں جواب دوں گا کیا اسلام نے تم کو نہیں بتایا کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبروں پر بہتان لگائے۔ توریت میں ایک پیغمبر کی نسبت اُنہوں نے یہ بڑھا دیا ہے کہ پیغمبر نے اپنی لڑکیوں سے زنا کیا۔

مگر تم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اس تحریف کو ہرگز تسلیم نہ کرو۔ اور سب پیغمبروں کو پاک مانو۔

کیا حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اُن کی اُمت نے یہ نہیں کہا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں لیکن تم کو بتا یا گیا کہ تم اسکو جھوٹا سمجھو۔ وہ خدا کے فرزند نہ تھے خدا اس بہتان سے پاک ہے۔

اگر تم دوسروں کی روایت و عقیدہ پر عمل کرتے اور کہتے کہ جب وہ خود ایسا کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں تو بتاؤ تمہارے پاک ایمان کو کس قدر صدمہ پہنچتا۔ یاد رکھو ہر مذہب اور قوم میں خرابیاں پڑ گئیں ہیں۔ ہر عقیدہ میں اور ہر آسمانی کتاب میں لوگوں نے اپنی فرضی تحریف کر دی ہے۔ اور کمی بیشی سے اسکو خراب کر رکھا ہے۔ جب ہی تو سب سے بڑے اوتار اور سب سے بڑے پیغمبر یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے فرمایا کہ میں کوئی نیا دین لیکر نہیں آیا ہوں بلکہ پچھلے دین کی خرابیوں کو دور کرنے اور اسکے ماننے والوں کی اصلاح کے لیئے خدا نے مجکو رسول بنایا ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ توریت پر ایمان لاؤ۔ انجیل پر ایمان لاؤ۔ اور سب پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ بعض پیغمبروں کے نام ہم نے بتا دئے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔ مگر تم پر سب پیغمبروں اور مذاہب کے پیشواؤں اور رہنماؤں کی تعظیم واجب ہے۔

ہم اس توریت کی تصدیق کرتے ہیں جس میں یہودیوں نے پیغمبروں کی زناکاری لکھدی ہے۔ ہم اس انجیل پر ایمان لاتے ہیں جس میں خود نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا لکھدیا ہے۔ تو ہم کو ہندوستان کے سب سے بڑے ہادی کی بھی عزت کرنی چاہیئے اور جس طرح توریت کے لکھے ہوئے اور تحریف کردہ بیان زنا کو ہم جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح انجیل کے غلط دعوے فرزندی خدا کو نہیں مانتے اسی طرح ہم کو ماننا چاہیئے کہ سری کرشن پر بھی زنا کے الزام سراسر بہتان ہیں۔ اور ایسے ہی ہیں جیسے توریت و انجیل کے مذکورہ بالا خود ساختہ واقعات۔

ہم مُسلمان توریت وانجیل کی صرف تصدیق کرتے ہیں۔ اُنپر عمل کرنے کا ہم کو حکم نہیں ہے کیونکہ ہم کو ایک ایسی کتاب دی گئی ہے جو ہر تحریف اور خرابی سے پاک ہے۔ جسمیں کوئی بات انسانی مداخلت کی نہیں ہے۔ جسکی تعلیم عین عقل اور ضرورت زندگی کے موافق ہے اور وہ قرآن ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ میرے آنے کے بعد توریت انجیل اور سب آسمانی کتابوں کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اب سارے جہان کو مجھپر عمل کرنا چاہیئے۔

پس ہم قرآن کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اور اُسکو تمام دُنیا کے آگے پیش کرتے ہیں۔ دُنیا میں ہندوستان بھی ہے۔ اسکو بھی قرآن پر عمل کرنے اور اس ہدایت پر چلنے کی ضرورت ہے۔ جو سری کرشن جی اور سری رام چندر جی کی تعلیم کے موافق ہے جس میں آسمانی کتاب وید کی طرح توحید کی تلقین ہے۔

قرآن نے سب پیغمبروں کو انسانی الزاموں سے پاک کیا۔ لہٰذا ہم مقلدان قرآن کا فرض ہے کہ ہندوستانی پیشوایان دین کو بھی آدمیوں کے بہتانوں سے پاک کریں اور انکے ادب و احترام کو اپنے دل میں جگہہ دیں۔

اس سے ہم ہندو نہیں ہو جائیں گے۔ کیونکہ توریت کی تصدیق و تعریف کرنے سے ہم یہودی نہیں ہوئے۔ اور انجیل کی توصیف سے عیسائی نہیں بن گئے وہی مسلمان تھے اور مُسلمان رہیں گے۔ اس عام تصدیق اور عام محبت و ارتباط شایع کرنے ہی کا نام تو اسلام ہے۔

لہٰذا آؤ اور سری کرشن جی کے اوپر سے تمام جھوٹے بہتانوں کو دور کرکے اور دور سمجھ کے اُن کو اپنے دل کی عزت و محبت کا پیام دو۔

خوش اعتقاد ہندو

بے عقلی سے سری کرشن کی نسبت ایسی ایسی لہل باتیں کہتے ہیں جنکو میں اس کتاب

درج کرنا خلاف تہذیب سمجھتا ہوں۔
متھرا گوکل۔ بندرابن۔ جہاں سری کرشن کی پیدایش پرورش۔ عروج کی یادگاریں ہیں۔ ہر سال کروروں ہندو ان مقامات کی زیارت کرنے آتے ہیں۔ میں بھی انکو دیکھنے کئی مرتبہ گیا ہوں۔ وہاں پجاری اور پنڈوں نے اپنی کمائی کے لیئے ایسی ایسی روایتیں بنا رکھی ہیں جنکو سنکر عورتیں قدرتاً بدچلنی کی طرف مائل ہو جاتی ہوں گی اور جوان مرد بھی بے اختیار ہوس نفس کو دل میں موجزن پاتے ہوں گے۔ کیونکہ شائستہ نیک چلن آدمی جب ان مسلسل اور خواہش ناپاک کو باضابطہ تحریک دینے والے حالات و واقعات کو سنتا ہی تو فطرتی تقاضے سے خود بخود اسپر بڑا اثر ہوتا ہے۔ یا تو اُسکو تکلیف ہوتی ہے اور ان روایتوں سے وہ متاسف ہوتا ہے اور یا اس مرکز ہدایت مقام کی حاضری اسکو یہ فیض پہنچاتی ہے کہ ان جھوٹی کہانیوں کی بدولت اُسمیں بھی نفسانی جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں اور وہ بھی آوارہ مزاج ہو جاتا ہے۔

راس لیلا

ہر سال جب کرشن جی کی پیدایش کا وقت آتا ہے تو ہندوستان کے شہر شہر قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں میں راس لیلا کے نام سے ناچ رنگ ہوتے ہیں۔ اور ان میں بعض پیشہ ور آوارہ خوبصورت لڑکے ان جھوٹی اور حیاسوز روایتوں کی نقل کرتے ہیں جو سری کرشن پر بطور بہتان کے لگائی گئی ہیں۔ اور ہندو ان حرامکار لونڈوں کو اپنے پاک اوتار کی بے حرمتی کے صلہ میں ہزاروں روپیہ دیتے ہیں۔
مقصد کتاب کے خلاف ہوگا کہ میں حالات زندگی چھوڑ کر نصیحت نامہ لکھنے لگوں۔ اس واسطے زیادہ تفصیل سے لکھنے اور ہندوؤں کو وعظ سنانے کی ضرورت نہیں ہے اب وہ اپنی اصلاح خود کرتے جاتے ہیں۔

میں نے نومسلمانوں کو سمجھانے اور اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے یہ تفصیل لکھی ہے تاکہ وہ جانیں کہ ہندوؤں کے یہ سب خرافاتی افعال ذاتی اور خود ساختہ ہیں سری کرشن کو ان سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ ان تمام خرافات سے پاک تھے۔ ان کی شان ان بازاری نظر بازیوں اور نفس پرستیوں سے بہت اعلیٰ تھی۔ جے ہو خدا کے اس پاک بندے کی جس کو خود اسکی امت نے بدنام کر رکھا ہے۔

رادھاجی

ان ہی گوپیوں کے قصہ عشق بازی میں رادھاجی نامی ایک گوپی کے بے شمار افسانے مشہور ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ سری کرشن رادھا کو اور گوپیوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ اور رادھا ان کی مخصوص معشوقہ تھیں۔ سری کرشن ان کے خیال میں غلطاں پیچاں رہتے۔ اور یہ کرشن کے عشق میں بے خود و سرشار رہتی تھیں۔

زبانوں پر۔ اس عشق بازی کے اس کثرت سے قصے چڑھے ہوئے ہیں کہ اس کے خلاف کچھ کہنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ صرف زبانی کہانیوں پر بس نہیں ہے۔ بت خانوں میں مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ جنہیں رادھا اور کرشن کے عشق کو طرح طرح سے دکھایا ہے بت خانے بھی سنے نہیں۔ بہت قدیمی اور پرانے زمانہ کے مندروں میں ایسی تصاویر پتھروں پر کھدی ہوئی دستیاب ہوتی ہیں۔

قدیمی کتابوں میں قلمی تصاویر کو تلاش کیا جائے تو وہاں بھی رادھا کرشن کے عشق کو مجسم دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اب تو چھاپہ خانوں کی بدولت کروڑوں تصویریں اس عاشقی معشوقی کی شائع ہوتی ہیں۔ اور ہندو ان کو خرید خرید کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔

ہندوؤں کی رغبت عام اور پسندیدگی خاص کو دیکھ کر یورپ کے سوداگر کپڑے کے تھانوں پر۔ آرایش کے سامان پر۔ رادھا کرشن اور گوپیوں کی رنگین تصویریں چپکا چپکا کر

پہنچتے ہیں۔ اور رادھا کرشن کے جھوٹے عشق کی بدولت امت کرشن سے ٹکے وصول کرتے ہیں۔

میں نے بھی اس کتاب میں خاص تلاش سے رادہا اور کرشن کی کئی تصویریں دی ہیں۔ مگر جو عبارتیں ان مورتوں پر لکھی ہوئی تھیں ان کو کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ میرے عقیدہ کے بالکل خلاف تھیں۔ اور وہ الفاظ لکھدئے جو میرے خیال میں درست اور صحیح تھے۔

عشق بازی کی حقیقت

میں اس سے انکار نہیں کروں گا کہ سری کرشن عاشق مزاج نہ تھے۔ میرا ایمان ہے کہ وہ سب سے بڑے عشق باز تھے۔ مگر کیسے عشق باز؟ پہلے اسکو ہی تو سمجھنا چاہئیے۔

سری کرشن مظہر عشق تھے۔ وہ عشق کے پاک جذبہ کی ایک مورتی بنکر دنیا میں خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا عشق ہوس پرست آدمیوں کی عاشق مزاجی سے بالکل الگ تھا۔ اُن کا عشق وہ تھا جسکو حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں یہ کہکر ممتاز کردیا ہے کہ جو عشق گیہوں کھانے اور اسکی غذائیت کے شہوانی بخروں سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ حقیقی ہے نہ مجازی۔ یعنے جو عشق غذا کی مادی قوتوں سے آدمی میں جوش مارتا ہے وہ پاک عشق نہیں ہے جائز محبت نہیں ہے۔ بلکہ نفسانی ہے۔ شہوانی ہے۔

اصلی عشق کچھ اور چیز ہے۔ حقیقی عشق جس کی سیڑہی مجاز ہے۔ جُدا گانہ شے ہے لوگوں نے بشری غلط فہمیوں سے خداوالوں کی عشق بازیوں کو اپنی گندی اور نفسانی عاشق مزاجی کی آنکھوں سے دکھایا ہے۔ اور کائنات کو بے حیائی اور بے غیرتی سے لبریز کردیا ہے۔

شکسپیئر نے سچ کہا تھا: عشق کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے نہ خدا کی ماہیت لہذا خدا محبت ہے۔ اور محبت خدا۔

عشق ایک کیفیت ہو جس سے دنیا کی کوئی مخلوق خالی نہیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہی کیفیت عشق ہر موجودہ و محسوس ہستی کا آئینہ ہے۔ یہ کیفیت نہ ہو تو کوئی چیز نمود کی شکل میں دکھائی نہ دے۔

انسان ہی نہیں۔ حیوان۔ درخت۔ گھاس۔ پانی۔ پتھر ہوا۔ بجلی۔ اور تمام نظر نہ آنیوالی طاقتیں زنجیر عشق کی اسیر ہیں۔

انسان نے عشق کی حقیقت اور ماہیت سمجھنے میں طرح طرح کی کوششیں کی ہیں کبھی اس نے اس تہ کو پالیا۔ کبھی وہ اپنی خاکی سرشت کی بدولت گمراہ ہو گیا۔ کیونکہ یہ کوچہ ہمیشہ اس کے لیئے دشوار اور مشکل رہا۔ آدمی اپنی فطرتی اور قدرتی خواہشوں کو دیکھتا ہے ان میں لذت بھی پاتا ہے اور تکلیف بھی۔ اس کا دماغ سوچنے والا بنایا گیا ہے۔ وہ ہر وقت گرد و پیش کے حالات اور اپنے اوپر گذرنے والے واقعات سے خدا کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس سے محبت کرنی چاہتا ہے۔ بعض موقعوں پر اس کا دل حالات کی تکلیف سے گھبرا جاتا ہے تو وہ خدا سے بیزار ہونے لگتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں اس کا ذہن عشق کے لفظ سے مدد مانگتا ہے لیکن عشق کبھی تو اسکو اصلی صورت میں مل جاتا ہے اور کبھی دامن بچا کر ہٹ جاتا ہے اور آدمی اپنے مفروضہ ذاتی بنائے ہوئے خیالی عشق کے دریا میں غوطے کھاتا رہ جاتا ہے

خدا تعالیٰ نے ہر پیغمبر اور رہر قوم کے ہادی میں عشق کی ایک شان رکھی تھی۔ اس شان کی مختلف حالتیں اور صورتیں ہوتی تھیں۔ حضرت آدمؑ میں وہ عشق نسل بڑھانے اور زمین کو آباد کرنے کی کیفیت لیکر نمودار ہوا تھا۔ حضرت نوحؑ میں اس عشق نے قہاری شان اختیار کی تھی۔ عشق کو گوارا نہ ہوا کہ خدا کے بندے غیر خدا کو پوجیں سلیئے اس نے موج ماری اور تمام اغیار پرست آدمیوں کو طوفان میں غرق کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ میں اسکی صفت کچھ اور تھی۔ ان کو خلیل اللہ کا لقب اسی اعتبار سے ملا تھا کہ اس

صفت عشق کے پرتوہ سے آدمیوں میں اتحاد و ارتباط پیدا کریں۔ حضرت موسٰےؑ کلیم اللہ بنائے گئے تھے ان میں باسم کلیم شان عشق نے ظہور کیا تھا۔ حضرت عیسٰےؑ نے اس سرِ خدی در راز مخفی کو روح اللہ کے لباس میں نمودار کیا تھا۔

آخری اوتار و پیغمبر تمام دنیا کے ہادی حضرت محمد رسول اللہؐ میں یہ عشق اپنی تمام شاخوں کل حصّوں اور جملہ شانوں سے جمع ہوا تھا۔ اُنہوں نے اس کیفیت محبت کے ہر حصہ سے کام لیا۔ اور دنیا کو فائدہ پہنچایا۔ بصورت مذہبی بھی ان میں وہ اعلےٰ تھا۔ بصورت جنگ بازی بھی اس عشق سے اُنہوں نے سب سے بہتر کام لیا۔ باہمی محبت و اخلاص اور انسانی مساوات کا عمل برتر شان سے اُن میں اسی واسطہ تھا کہ یہ بھی عشق کا ایک حصہ ہے۔ خانہ داری اور معیشت میں اُنہوں نے اِسی عشقیہ قوت کی بدولت آسان اور سہل طریقے برت کر دکھائے جس سے ان کا عالمگیر رسول ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ کسی مذہب کے فلسفۂ بود و باش میں باعتبار عمل کے اس قدر کشادگی اور سہولت نہ تھی جو دنیا کی ہر قوم کے مزاج کو موافق ہو۔

سری کرشن بھی ہندوستان کے ہادی تھے۔ اُن کو بھی خدا تعالےٰ نے ایک بڑی اور اعلیٰ قوم کی رہبری پر مامور کیا تھا۔ پھر وہ دولت عشق سے کیوں محروم رہتے۔

سری کرشن ہندوستان کے سب اوتاروں اور برگزیدہ آدمیوں سے زیادہ عشق کی مختلف کیفیات اپنے اندر لائے تھے۔

ہندوستان میں جس قدر اوتار اور رہنما گزرے ہیں اُن سب میں سری کرشن باعتبار صفات گوناگوں ممتاز تھے۔ ان کی عمر کا پہلا حصہ مظہر حسن و عشق تھا۔ درمیانی دور رزم و بزم کا کمل آئینہ تھا۔ آخری وقت محویت فنائیت دنیا اور تعلقات دنیا سے بے خبری کا تھا۔

کرشن بیتی کے دوسرے حصہ میں خدا نے چاہا۔ حیات کرشن کے ہر حصہ پر الگ الگ بحث کی جائیگی۔ اسوقت تو سرسری اشارے کر دیے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس مختصر سی تشریح کے

مُسلمانوں کی عام غلط فہمی دور نہ ہوسکتی۔

رادہاجی میرے خیالمیں

کوئی عورت نہ تھیں۔ جیساکہ عام طور پران کو گوپیوں میں تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ رادہا سری کرشن جی کے جذبہ عشق کا صفاتی نام ہے۔ چونکہ ہندو جذبات وصفات کی تصویریں بنایا کرتے تھے اس واسطے اُنہوں نے کیف عشق کا جس کے مظہر سری کرشن تھے رادہا نام رکھدیا۔ اور اسکی مورت بھی بنادی۔

میرا یہ خیال بے دلیل نہیں ہے۔ بے اصل نہیں ہی۔ بے وجہ نہیں ہے۔ میں اس خیال کی تائید میں جو ثبوت دینا چاہتا ہوں وہ کوئی باریک منطقیانہ یا فلسفیانہ بات نہیں ہی جسکو موٹی عقلیں سُلجھا کر سمجھہ نہ سکیں۔ بلکہ وہ بالکل عام فہم ہے۔ بچہ بھی اسکو سمجھہ سکتا ہے سب کو معلوم ہے کہ ہندوں نے قدیم زمانہ میں صفات خدا کی مورتیں بنائیں تھیں۔ اور ان ہی سے وہ اسد تعالیٰ کی صفتیں بندوں کو سمجھا یا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بت بنایا جس کے چار ہاتھہ ہیں۔ ایک ہاتھہ میں اناج کا خوشہ۔ ایک میں کپڑا۔ ایک میں تلوار۔ ایک میں کتاب اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کی ذات ایک ہے۔ وہی روٹی دیتا ہے۔ وہی کپڑا وہی ہلاک کرتا ہے۔ اور وہی ہر شے کا عالم ہے۔ گویا رزاق۔ قہار۔ علیم وغیرہ اسمائے صفاتی کی تصویریں جاہلوں کو دکھادی جاتی تھی۔ پہلے پہلے تو وہ ذریعہ فہم تھیں۔ اور ان مورتوں سے خدا کی قدرتوں اور نعمتوں کا علم ہوتا تھا۔ اسکے بعد رفتہ رفتہ لوگوں نے ان ہی مثالی مورتوں اور بتوں کو پوجنا شروع کر دیا جسکی اصلاح کے لیئے خدا نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو بھیجا۔

مُسلمان بُرانے مندروں میں جاکر غور سے سب بتوں کو دیکھیں تو اُن کو معلوم ہوجائے گا کہ میرا یہ کہنا درست ہی یا غلط۔

سری کرشن کی عمر پچاس برس سے زیادہ معلوم ہوتی ہے جن لوگوں نے اُن انگریز مدبروں
کی تصویریں دیکھی ہیں جو ڈاڑھی مونچھ منڈاتے ہیں۔ وہ فوراً کہدینگے کہ سری کرشن کے
استغراق والی تصویر ساٹھ برس کے بوڑھے کی ہے۔ میں نے اس تصویر پر لکھدیا ہے
سری کرشن کا استغراق۔ اصل میں اسپر لکھا تھا۔ **سری کرشن رادھا کے
خیال میں**۔ اگر رادھا کوئی عورت یا روایت عام کے مطابق گوپی ہوتیں تو سری کرشن جی
کو طفل یا نوعمر جوان دکھایا جاتا۔ کیونکہ گوپیوں کے اختلاط کے زمانہ میں سری کرشن بارہ سال
کے تھے۔ مگر ان تصویروں میں وہ بوڑھے یا ادھیڑ نظر آتے ہیں۔ اور اسکو تمام ہندو کتابیں
تسلیم کرتی ہیں۔ کہ سری کرشن نے بندرابن چھوڑنے کے بعد پھر گوپیوں سے کوئی تعلق
اور واسطہ نہ رکھا۔ راجہ کنس کے مارے جانے کے بعد گوپ اور گوپیاں چاہتی تہیں کہ سری
کرشن پھر ان سے پہلا سا میل ملاپ قایم کریں۔ مگر سری کرشن نے صاف جواب دے دیا۔
اور فرمایا کہ اب تم مجھ سے گذشتہ تعلقات کی اُمید قطع کردو۔

پس اگر رادھا جی واقعی گوپیوں میں کوئی عورت ہوتیں تو تصویر میں سری کرشن کی صورت
نوعمر دکھائی جاتی۔ کیونکہ اس عمر طفلی کے بعد تو پھر انہوں نے کسی گوپی یا گوپ سے واسطہ ہی
نہ رکھا تھا۔ مگر یہ تصویر ظاہر کرتی ہے کہ سری کرشن بڑھاپے کے زمانہ میں ہیں۔ پھر بھلا
بڑھاپے اور پوری جوانی کے زمانہ میں گوپیاں کہاں سے آگئیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ تصویریں بعد کی بنی ہوئی ہیں جیسی چاہیں بنادیں۔ ان کا
اعتبار ہی کیا۔ تو میں جواب دونگا کہ ان ہی تصاویر پر انحصار نہیں ہے۔ بندرابن اور
گوپیوں کے وقت کی جس قدر مورتیں صحیح سمجھی جاتی ہیں اُن سب میں سری کرشن کی عمر طفلی
اور نوعمری کی دکھائی گئی ہے جو بیّن ثبوت اسکا ہے کہ رادھا عشق بازی کے افسانے سراسر
غلط ہیں۔ اور رادھا جی کا مخصوص عشق کرشن جی کی عمر کے بالکل منافی ہے۔

ممکن ہے رادھا نامی کوئی گوپی ہو۔ اور ممکن ہے کہ سری کرشن بندرابن کے صحرا میں

اور گوپیوں کے ساتھ کھیلنے وقت رادہا سے زیادہ مخاطب ہوتے ہوں۔ مگر یہ بالکل غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ رادہا سری کرشن کی ناجائز معشوقہ تھیں۔ کیونکہ اوپر جس قدر دلیلیں اس خیال کے خلاف لکھی گئی ہیں ان سے خود بخود اسکی تکذیب اور تردید ہوتی ہے۔

یہ ممکن ہیں نے اس واسطے لکھا کہ رادہاجی کا چرچہ زندہ عالمگیر ہے۔ اور لوگوں نے فلسفیانہ استعارہ کو اصل سمجھ رکھا ہے۔ ان کی خاطر سے میں نے لکھدیا کہ رادہا نام گوپی کا ہونا غیر ممکن نہیں۔ لیکن میری تحقیق اور عقیدہ تو یہی ہے کہ رادہا سری کرشن کی صفت عشق کا نام ہے۔ جو اُن کی پیدائیش سے لیکر وفات تک ان کے وجود محسوس کے ساتھ رہی۔

اب میں بحث چھوڑ کر پھر اصل واقعات کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔ امید ہے کہ منصف مزاج اور سمجھدار مسلمان میری اس مختصر تشریح سے غلط بہتانوں کو دل سے نکال ڈالیں گے*

چوتھی بیتی

شرق النور

اُجالے کی اُٹھان

بندرابن کے جنگل میں منگل ہو رہا تھا۔ سری کرشن اور بلرام کی خوبصورتی اور بہادری کے غلغلے گھر گھر مچے ہوئے تھے۔ بچہ بچہ کی زبان پر کرشن کنھیا کا شام سندر نام اور من موہن کام جاری تھا۔ کہ اُڑتے اُڑتے یہ خبر متھرا بھی پہنچی۔ چند میل کا فاصلہ ہی کیا ہوتا ہے جو ایسی دھوان دھار خبر چھپی رہتی۔ پہلے متھرا کے عوام نے سُنا کہ بندرابن میں اس

قسم کے دو عجیب لڑکے ہیں۔ اور اُنہوں نے از خود قیاس دوڑائے کہ ہوں نہ ہوں
یہ لڑکے جادو نسل کے ہوں گے۔ اور کیا عجب ہو کہ کنس کے بھانجے ہوں۔ دیوکی
اور واسدیو نے گوالیوں میں پوشیدہ کر دیا ہو۔

خلقت کی آواز خدا کا نقارہ اول سے ثابت ہوتی آئی ہے۔ غلط۔ واہیتوں اور مہمل
افواہوں کی تہ میں ایک حقیقت اور اصلیت ہمیشہ ہوا کرتی ہو۔ عوام کے ان چرچوں نے
خواص اور دربار رس لوگوں کو بھی چوکنا کر دیا۔ ان کے آپس میں بھی سرگوشیاں ہونے
لگیں۔ کوئی کہتا سب غلط ہو۔ بازار کے جاہل اوہام پرست ہوتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ ابنالینا
ان کا شیوہ ہے۔ اُنہوں نے کنس کی احتیاطوں اور خونریزیوں سے بددل ہو کر یہ خبر
تصنیف کی ہے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتے۔ بیٹھے بیٹھے افواہوں کے گولے لڑکاتے ہیں
بھلا دیوکی اور واسدیو کی یہ مجال تھی جو وہ کنس جیسے شکی اور سخت مزاج راجہ کے مقابلہ میں
فریب کر سکتے۔ لڑکوں کو پوشیدہ کرنا آسان نہ تھا۔ یہ تو کسی منچلے گوپ نے اپنے لڑکوں کو
سپاہ گری کی تعلیم دلائی ہو گی۔ جہاں دکھ نہیں وہاں انڈر رکھ۔ اندھوں میں کانا راجہ
آپ سے آپ ہو جاتا ہو۔ جنگلی بے تہذیب آدمیوں میں ایک دو شخص شائستہ ہو جائیں
تو خواہ مخواہ ہر ایک کی نظر پڑنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو گوپوں کے یہ دو لڑکے مشہور
ہو گئے۔ اور بازاریوں نے دھوم مچا دی کہ دیوکی کے بچے ہیں۔

کوئی کہتا نہیں صاحب خبر بالکل سچ ہو۔ گوپوں جیسے وحشی اور صحرائی لوگوں کو ہزار
تعلیم و تربیت دی جائے یہ قابلیت نہیں آ سکتی۔ جو ان دو لڑکوں کے بارہ میں مشہور رہی
اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی گوپ نے اپنے لڑکوں کو تعلیم و تربیت سے ایسا لائق
بنا دیا تو صورت شکل راجہ زادوں کی کہاں سے آ گئی۔ سُنا تو یہ ہو کہ ان دونوں کی صورتیں
گوپوں سے بالکل الگ ہیں۔ اور دونوں چاند کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔

قصہ مختصر دربار ی امرا میں گشت لگاتے لگاتے یہ خبر راجہ کنس کے کان میں بھی

پہنچی۔ قضا سر پہ کھیل رہی تھی۔ اسے بھی یقین نہ کیا۔ اور پبلک کی گستاخی پر محمول کرکے پیچ و
تاب کھانے لگا۔ کہ لوگ دیوکی اور واسدیو سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس قسم کی افواہیں
دماغ سے اتارتے ہیں۔ مگر تجربہ کار امیروں نے صلاح دی۔ دشمن کو حقیر سمجھنا بے عقلی ہے
آگ کا تنکا بھی بڑا ہوتا ہے۔ خیر غلط سہی۔ مگر آپ کا فرض یہ ہے کہ حالات دریافت فرمایئے
سچ جھوٹ پرکھئے۔ تحقیق کیجئے ثابت ہوجائے کہ یہ دونوں آپ کے بھانجے ہیں تو فتنہ
مٹا دینا دشوار نہیں وہیں جنگل میں کام تمام کردیا جائے گا۔ ورنہ دو جی دار اور بہادر
پہلوان ہاتھ آئیں گے۔ گوپوں کے ان لڑکوں کو شریک سپاہ کرلیا جائے گا۔ اور قدر
ہنرمندی کا فرض ادا ہوگا۔

کنس نے کہا جنگل میں مارڈالنا مناسب نہیں۔ ممکن ہے تحقیق کرنے والوں کو
غلط فہمی ہوئی ہو۔ جس طرح عوام نے سمجھنے میں غلط فہمی کی ہے۔ اور اس طرح رعایا کے
دو آدمی بے گناہ مارڈالے جائیں۔

درباریوں نے جواب دیا تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو یہاں بلاکر دیکھا جائے
اور آں داتا خود اپنی ذات سے اسکی تحقیق کریں۔

کنس بولا۔ ہاں میں یہی چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ سے دیکھوں۔ مجھ سے زیادہ دیوکی کی
اولاد کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

کہا گیا تو آپ شکار کے بہانہ سے خود بندرا بن تشریف لے چلئے۔ اور ان لڑکوں کو
ملاحظہ فرمایئے۔

اسپر چند امیر بولے یہ مہاراج کی شان کے خلاف ہے۔ کہ جنگلی آدمیوں میں خود
تشریف لیجائیں۔ یہی بہتر ہے کہ کسی بہانہ سے ان کو یہاں بلا لیا جائے۔

اتفاق سے متھرا میں کشتی کے دنگل کا زمانہ قریب تھا۔ جس میں دور دور کے پہلوان
آتے تھے اور کشتیاں لڑتے تھے۔ راجہ اور شہر کی تمام خلقت اس دنگل میں شریک ہوتی

تھی۔ اور کُشتی جیتنے والوں کو انعام اکرام دئے جاتے تھے۔

کنس نے کہا یہ بہت اچھا موقعہ ہے۔ ان لڑکوں کو دنگل دیکھنے کی دعوت اور پہلوانی کے ہنر دکھانے کا بلاوا دینا چاہیئے۔ اگر وہ قبول کریں تو فوج سے دو خونخوار زبردست پہلوان مقابلہ میں جائیں۔ اور چھوکروں کا کام تمام کر دیں۔

تجویز قرار پاگئی تو اکرور نامی ایک امیر پیام رسانی پر مامور ہوا۔ اور بندرابن میں نند اور جسودہا سے راجہ کنس کا یہ پیام جا کر کہا۔ نند اور جسودہا نے کنس کا بُلاوا سُنا تو وہ ڈر گئے۔ اُن کو اندیشہ ہوا کہ راجہ کو شائد خبر ہو گئی ہے کہ کرشن اور بلرام اُس کے بھانجے ہیں۔ اب خیر نہیں۔ دیکھئے ان بےکس شہزادوں پر کیا افتاد پڑے۔ اور ہم دونوں ان کی پرورش کرنے کے جرم میں کیا سزائیں پائیں۔

مگر حکم حاکم مرگ مفاجات۔ مجبوڑاراضی ہو گئے۔ اور متھرا آنے کا وعدہ کر لیا۔ سری کرشن اور بلرام نے سُنا کہ اُن کو متھرا بلایا گیا ہے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ ان کی خوشی اس تیاری سے ظاہر ہوتی تھی جس میں وہ مصروف تھے۔ پہلے وہ ایک دھوبی کے پاس گئے اور اُس سے کپڑے مانگے۔ یہ دھوبی راجہ کنس کا تھا۔ ان شہزادوں نے ایسی شدت کا تقاضا کپڑوں کے لئے کیا کہ دھوبی برداشت نہ کر سکا۔ اور ان کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا۔ دھوبی کی خودسری کو دیکھکر کرشن جی نے پہلی بسم اللہ اُسی سے شروع کی۔ اور ایک ہی ضرب تیغ میں اس کمین گستاخ کا کام تمام کر دیا۔

کرشن جی اور بلرام متھرا نہیں جاتے تھے بلکہ موت کے مُنہ میں جا رہے تھے۔ پھر انکا خوش ہونا کس وجہ سے تھا؟ اس کا جواب یہ ہو کہ یا تو وہ بسبب خوردسالی راجہ کنس کی نیت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ ان کو قتل کرنے کے لئے بلاتا ہے۔ اور یا ان کو کشف باطن سے معلوم تھا کہ کنس کی ہلاکت میرے ہاتھوں مقدر ہے۔ اِس واسطے ان کو خوشی تھی کہ ظالم کا وقت قریب آیا۔ ہندو کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکرور نامی امیر جس کو

کنس نے نند کے پاس بندرابن بھیجا تھا۔ تاکہ کرشن اور بلرام کو دنگل کا بلاوا دے۔ وہ واسدیو اور دیوکی سے محبت رکھتا تھا۔ اور راجہ کنس کے مظالم سے اُسکو نفرت تھی۔ اس واسطے اُس نے نند اور جسودھا اور تمام گوپوں کو مخفی طریقہ سے اطلاع دیدی تھی کہ کنس کا ایسا ارادہ ہے۔ تم سب لڑائی کے لئے تیار ہو کر آنا۔ ہم سب بھی مدد کے لئے آمادہ و مستعد رہیں گے۔ کرشن جی اور بلرام کو بھی اس کا حال معلوم ہو گیا تھا اور وہ اپنے ماں باپ اور مقتول بھائیوں کے انتقام کے لیئے بیچین تھے۔ اور یہی وجہ ان کی خوشی کی تھی۔

الغرض نند اور جسودھا۔ کرشن اور بلرام کو اور تمام گوپوں کو لیکر متھرا روانہ ہوئے اور ادھر کنس نے پوشیدہ طور سے یہ حکم دیا کہ جس وقت کرشن اور بلرام دنگل میں قدم رکھیں ایک مست ہاتھی ان پر چھوڑ دیا جائے۔ اور لوگ غل مچائیں کہ بچنا ہاتھی چھوٹ گیا۔ بچنا ہاتھی چھوٹ گیا۔ تاکہ عام لوگوں کو یہ شُبہ نہ ہو کہ راجہ نے بدنیتی سے ہاتھی چھوڑوایا ہے۔ اول تو ہاتھی ان دونوں کا کام تمام کر ڈالیگا۔ لیکن اگر اتفاق سے وہ بچ جائیں تو پھر دو بھی پہلوان ان کے مقابلہ میں اُتریں اور اپنے فن کشتی سے ان دونوں کو پچھاڑ کر مار ڈالیں۔

دنگل کا نظّارہ

مقررہ مقام پر دنگل آراستہ ہوا۔ رعایا کے تمام عام و خاص عورت مرد بچے بوڑھے صفیں باندھکر کھڑے ہو گئے۔ اور ایک طرف راجہ کنس اور اُس کے تمام امیر تخت اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور دوسری جانب راجہ کی سب رانیاں خیموں کے پیچھے جمع ہو گئیں جو ہیں لیکن رنج و اسدیو اور دیوکی بھی آن کر بیٹھ گئے۔ ان کی جان سناٹوں میں جا رہی تھی کہ دیکھئے تقدیر کیا کرشمہ دکھاتی ہے۔ کرشن اور بلرام کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کلیجوں پر پہلے ہی داغ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ بلا ئی دو جوان جانیں بچتی ہیں یا یہ بھی پہلے نونہالوں کیطرح خونی سفاک کے ہاتھوں پامال ہوتی ہیں۔ اُدھر رعایا کے جتنے لوگ جمع ہوئے

طرف آیا۔ دنگل میں افراتفری پڑ گئی۔ صفیں زیر وزبر ہونے لگیں۔ لوگ ہاتھی کے
خوف سے بچکر بھاگنے لگے۔ مگر کرشن اور بلرام اپنی جگہ اڑے کھڑے رہے۔ اور
انہوں نے ذرا جنبش تک نہ کی۔ ہاتھی تو دانستہ ان دونوں پر چھوڑا گیا تھا۔
وہ سیدھا اسی طرف آیا۔ چاہتا تھا کہ کرشن اور بلرام کو کچل ڈالے کہ بلرام نے
نہایت بہادرانہ جرأت سے ایک برچھا ہاتھی کے کان پر مارا۔ اور کرشن نے تلوار
کے ایک ہی ہاتھ سے ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی زخمی ہوکر چنگھاڑیں مارتا ہوا
بھاگا۔ اور تھوڑی دور جاکر گر پڑا۔ اور مر گیا۔ یہ عجیب و غریب تماشہ کو دیکھکر
آفرین اور شاباش کا غلغلہ پڑ گیا اور تھوڑی دیر کان پڑی آواز نہ سنائی دی
راجہ کنس نے جو ان دونوں کی یہ بہادری دیکھی تو وہ بھی سکتہ میں رہ گیا۔ مگر پھر اسنے
اوسان درست کرکے دونوں پہلوانوں کو اشارہ کیا۔ جن کو اس کام کے لیے
مقرر کیا گیا تھا۔ وہ دونوں شیطان کے بچے دیو صورت ان پری زادوں پر کالی
گھٹا کی طرح جھکے۔ ایک کرشن کی طرف آیا۔ دوسرے نے بلرام کی طرف ہاتھ بڑھایا
چاہتے تھے کہ ایک ہی وار میں دونوں نازنینوں کو اٹھا کر دے ماریں اور پتلو کیطرح
زمین پر مسل دیں لیکن کچھ بھی نہ کر سکے اور مجبورًا کشتی شروع کی۔ کشتی شروع ہوئی
تو وہ حیران رہ گئے۔ کہ یہ لڑکے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ یا لوہے کے۔ کہ ذرا پریشان
نہیں ہوتے۔ اور مردانہ وار کشتی لڑ رہے ہیں۔ کشتی دیر تک ہوتی رہی اور تمام دنگل
والے ڈرتے رہے کہ دیکھئے اب کیا سامنے آتا ہے۔ شہزادوں کی ان دیوزادوں
کے آگے کچھ بھی ہستی نہیں ہے۔ بس کوئی دم کی دیر ہے یہ دونوں شیطان ان نور کے
پتلوں کو فنا کر ڈالیں گے۔ مگر قدرت کو تو کچھ اور دکھانا منظور تھا۔ تھوڑی دیر کے
بعد یہ دیکھا کہ کرشن اور بلرام نے اپنے ہنر کشتی سے دونوں پہلوانوں کو پچھاڑ ڈالا
اور ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔

پہلوانوں کا پچھڑنا تھا کہ بھری مجلس میں ایک غل مچا۔ اور "وہ مارا" "وہ مارا" کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صفوں میں سے گوپ لڑکے دنگل کے اندر آ گئے۔ کرشن اور بلرام کو انہوں نے کندھوں پر چڑھا لیا۔ اور جوش خوشی میں ناچنے اور غل مچانے لگے۔ کنس نے جو یہہ کیفیت دیکھی تو حکم دیا کہ اِن لڑکوں کو باہر نکال دو۔ اور دوسری طرف جلاد کو اشارہ کیا کہ کرشن اور بلرام کے ماں باپ دیوکی اور واسدیو کو قتل گاہ لیجاؤ۔ اور فوراً دونوں کا سر قلم کردو۔ نیز یہ بھی حکم دیا کہ نند اور جسودھا کو گرفتار کر لو۔ مگر نہ کسی جلاد نے اُس کا حکم مانا نہ کوئی فوجی افسر نند اور جسودھا کو گرفتار کرنے آگے بڑھا۔ کیونکہ ان سب کے آپس میں پہلے ہی مشورہ اور سمجھوتا ہو چکا تھا۔

کنس حیرت سے اپنے درباری اور فوجی ملازموں کو دیکھ رہا تھا کہ آج انھیں کیا ہو گیا کہ میں حکم دیتا ہوں اور کوئی تعمیل نہیں کرتا۔ سب کانوں میں تیل ڈالے کھڑے ہیں۔ گویا کسی نے سُنا ہی نہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور ان میں سازش ہوئی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اب کچھ اور تدبیر کرنی چاہیئے۔ مگر ابھی کوئی تجویز بھی اُس کے دماغ میں نہ آئی تھی کہ سری کرشن دنگل سے دوڑ کر کنس کے تخت کی طرف آئے اور جھپٹ کر تخت پر چڑھ گئے۔ اور کنس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا اور اُنھیں کھینچکر کنس کو تخت سے گھسیٹ لیا۔

کنس کا کام تمام

کیا خدا کی شان ہے کہ اجنبی لڑکا راجہ کے تخت پر چڑھ گیا۔ اُسکے بالوں کو پکڑا۔ اُن میں جھٹکے دئے۔ یہاں تک کہ اُسکو تخت سے زمین پر گھسیٹ لایا۔ مگر کسی امیر نے اتنی جرأت نہ کی کہ راجہ کو بچانے کا ارادہ کرتا۔ اور کرشن کے مقابلہ میں آتا۔ خود بیچارے کنس نے کرشن کا مقابلہ کیا۔ اور کچھ دیر اُن سے کشتی لڑی۔ مگر وقت آخر

آ پہو نچا تھا۔ اجل کا شکنجہ بچ چکا تھا۔ کنس کی ہشت مُشت کام میں نہ آئی اور کرشن نے اُسکو پچھاڑ دیا۔ اور فوراً خنجر نکال کر سر تن سے جدا کر دیا۔ اور اُس اسیر ہوس نے خاک خون میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بڑی مشکل سے جان دی۔

آج اُس کنس کا کام تمام ہوا جس نے دُنیا کی زندگی کو ابدی زندگی سمجھ رکھا تھا آج اُس موذی کا تاج خاک میں گر پڑا جس نے حکومت دُنیا کی خاطر بہت سے بیگناہ معصوموں کے سر تا زمین جسموں سے کاٹ کر خاک بسر کئے تھے۔ دیکھو متھرا کا شہزور قوت والا۔ فوجوں اور ہتیاروں کا مالک ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا بادشاہ ایک لوہے کے ٹکڑے سے ذبح ہو کر کیا مایوس سر کٹائے پڑا ہے۔ تخت کے نیچے زمین اُسکے ناپاک خون سے لال ہو رہی ہے۔ اُسکی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی ہیں۔ اور آدھی بند ہیں۔ اُس کے لمبے بال خاک اور خون سے لتھڑے ہوئے ہیں۔

جس لڑکے کا اُسکو خطرہ تھا وہ خون بھری تلوار لیے چُپ چاپ کھڑا مسکرا رہا ہے اور کوئی طاقت اِس آزاد تبسم کو روکنے والی نہیں ہے۔

جن امیروں نے کنس کا دماغ آسمان پر چڑھا دیا تھا آج اُس میں سے ایک بھی آگے نہ بڑھا جو اپنے آقا کی جان بچاتا۔ جن لشکروں کے تکبر نے کنس کو فرعون بنایا تھا آج اس سپاہ کی ایک تلوار بھی اسکی حمایت کے واسطے میان سے نہ نکلی۔ کیوں؟ اس واسطے کہ کنس کے ظلم نے خود کنس کو اندھا کر دیا تھا اور اُسکے تمام دوستوں اور حمایتوں کے دل تاریک کر دئے تھے۔ جس دل میں اندھیرا ہوتا ہے وہ وقت نازک پر جرأت و ہمت کو بھول جاتا ہے۔ جس دماغ میں حق تلفی اور کمزور آزاری کے نقش ہوتے ہیں وہ دماغ اڑے وقت میں کام نہیں آتا۔ اور اس سے سوچنے اور مناسب کام کرنے کی لیاقت جاتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کم بخت مارڈالا گیا۔ اور کسی نے اسکی پاسداری نہ کی۔ کوئی اس کے انتقام یا بچاؤ کے لیے جگہ سے نہ ہلا۔

البتہ کنس کے آٹھ بھائی کرشن پر حملہ آور ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے خونی بھائی کا بدلہ تلوار سے لینا چاہا۔ مگر یہ آٹھوں بھی کرشن۔ بلرام۔ اور اُن کے بعض حامی لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اور اس طرح ایک بڑا سنے پاپی کا قصہ تمام ہوا۔ جس کی تمام ستم کاریاں ظہور سری کرشن کا موجب بنی تھیں۔

تخت کولات ماردی

جب کنس کا کام تمام ہو چکا اور اُسکی رانیوں نے نوحوں اور ماتم کی آوازوں کو ذرا تھمایا۔ تو کنس کے ماں باپ ظالم بیٹے کی لاش پر آئے اور دیر تک ماتم کرتے رہے۔ باوجود کنس کی ظلم کاریوں کے اس وقت ہر شخص کو ظالم کے انجام بد سے عبرت ہو رہی تھی۔ اور قتل گاہ کے حاضرین رنجیدہ اور غمگین نظر آتے تھے۔

ایک طرف تو رنج والم کا یہ نظارہ تھا۔ دوسری جانب سری کرشن کے والدین دیوکی اور واسدیو اپنے بچوں کی شاندار کارگزاریاں چپ چاپ کھڑے ہو دیکھتے تھے۔ اور دل میں باغ باغ ہوتے تھے۔ جوں ہی سری کرشن قتل کنس سے فارغ ہوئے تو اپنے بھائی بلرام کو لیکر۔ بوڑھے اور ماں باپ کے قدموں میں جا کر گر پڑے اور آنکھیں اُن پیروں سے ملنے لگے۔ والدین نے اپنے نونہالوں کو اُٹھا کر چھاتی سے لگایا اور خوشی کا رونا روتے رہے۔

ایک ہی جگہ دو سین نظر آتے تھے۔ ایک رُخ بوڑھے ماں باپ اپنے بیٹے کی لاش پر کھڑے ہوئے آہ کے نعرے مارتے تھے اور زار و قطار روتے تھے اور مرنے والے کی رانیاں چھاتی پیٹ رہی تھیں۔ منہ نوچ رہی ہیں۔ اُس کے خوشامدی واویلا مچا رہے تھے۔ اور دوسری سمت مدتوں کے غمگین ماں باپ اپنے بچھڑے ہوئے دو لاڈلوں کو سینے سے لگائے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ کہ اسنے مایوسوں کو

اور ناامیدوں کو خوشی کا یہ دن دکھایا اور ان کے پردیسی بچے ان کی آنکھوں کے سامنے آئے۔

یہ نظارے ہو چکے تو جادو نسل کے سب چھوٹے بڑے سری کرشن کے قدموں میں آکر گر پڑے اور کہا "تاج و تخت حاضر ہے۔ اب آپ اس کی حفاظت کیجیے۔" برادری کے امرا کے علاوہ رعایا کے تمام منتخب لوگوں نے اور کنس نے بھی بڑے بڑے امیروں نے اسکی تائید کی کہ آپ تاج و تخت قبول فرمایئے۔ آپکے سوا کوئی حق دار اس دولت کا نہیں ہے۔

مگر سری کرشن دُنیا میں روپے پیسے کی بادشاہت کرنے نہیں آئے تھے۔ خدا نے ان کو کسی اور کام کے لیے مامور کیا تھا۔ جو اس چند روزہ حکمرانی دنیا سے اعلیٰ تھا۔ اس واسطے اُنہوں نے دنیاوی تاج و تخت کو لات ماردی۔ اور ان سب لوگوں سے کہا۔ جو سری کرشن کو راجہ بنانے کی درخواست کر رہے تھے کہ "میں اس گدّی کا حقدار نہیں ہوں۔ میں نے کنس کو اس لیے نہیں مارا کہ اُسکی گدّی کا مالک بن جاؤں۔ میری غرض یہ ہرگز نہیں تھی کہ ظالم لوگوں کی طرح تاج و تخت حاصل کرنے کے لیے ایک آدمی کا خون بہاؤں۔ میں نے کنس کو اسکی مسلسل سفاکیوں کے عوض قتل کیا ہے۔ میرا فرض تھا کہ ایک پاپی ہستی کو دُنیا سے نابود کردوں۔ دیکھو مجھے خدا نے قدرت دی کہ میں باوجود بے طاقت ہونے کے اُسپر غالب آیا۔ اور اُس کا کام تمام کردیا۔

میں جانتا ہوں کہ متھرا کی حکومت میرے خاندان کا حق ہے اور کنس کے خاندان نے اسکو جبراً لے لیا تھا۔ لیکن آج میں پُرانے قصوں کو فراموش کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ تخت حق اُگر سین کا ہے۔ جو کنس کا باپ ہے۔ جسکو اُس کے ظالم اور حریص بیٹے نے معزول کر کے یہ تخت چھین لیا تھا۔ آج میں اگر سین سے درخواست کرتا ہوں

کہ وہ آئیں۔ اور اپنی ملکیت تاج و تخت کو حاصل کریں۔ میں ان کی ویسی ہی تابعداری کروں گا۔ جیسے کہ اور سب میرے خاندان والے اطاعت و فرمانبرداری کرتے آئے ہیں۔

اگرسین نے کہا " نہیں بابا میں اب بوڑھا ہوا۔ مجھ میں سلطنت کرنیکی طاقت نہیں ہے۔ میری عین خواہش ہے کہ تم تخت پر بیٹھو۔ اور میں تمہارے سامنے ہاتھ باندھکر کھڑا رہوں "

سری کرشن بولے " نہیں ہرگز نہیں آپ ہم سب کے بڑے ہیں۔ آپکے ہوتے ساتھ ہم میں سے کسی کی یہ مجال نہیں ہو سکتی " یہ کہکر اگرسین کا ہاتھ پکڑا۔ اور تخت پر بٹھا دیا۔ اور تاج اُس کے سر پر رکھکر تاجداری کے شادیانے بجوا دیئے۔ اسکے بعد نہایت دھوم دھام اور عزت کے ساتھ کنس اور اُسکے بھائیوں کی لاشیں اٹھوائیں۔ اور شاہانہ ٹھاٹھ سے مرگھٹ میں لے جاکر اُن کو جلا دیا۔

گوپوں کی مایوسی

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو نند اور جسودھا اور تمام گوپوں اور ان کی مستورات گوپیوں نے سری کرشن سے پھر بندرابن چلنے کی خواہش کی۔ جس کے جواب میں اُنہوں نے فرمایا " بس بس۔ اے میرے رفیقوں۔ اب وہ زمانہ ختم ہو گیا۔ جس میں خدا نے مجکو تمہارے ساتھ رکھا تھا۔ میں جانور چراتا تھا جنگلوں میں کھڑے ہو کر بانسری بجاتا تھا۔ اور تمہارے ساتھ رات دن کھیل کود اور ہنسی دل لگی میں مصروف رہتا تھا۔

اب دوسرا وقت آیا ہے۔ اب مجھے کچھ اور کام کرنے ہیں۔ میں تمہاری محبتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے تمہاری ملنساریاں اور دلداریاں ساری عمر یاد رہیں گی۔ مگر تم یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ کرشن اب پھر تم میں رہیگا یا تم اُسکے پاس رہو گے۔ اگر منشا ہوگا یہی

بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے کہ سری کرشن جی کے زمانہ میں کاشی (یعنی بنارس) میں علم و فن کی کوئی خوبی تھی وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کاشی اسوقت آباد ہی نہ تھا۔ مگر پرانوں میں یہ صاف طور سے درج ہے کہ سری کرشن جی نے کاشی میں تعلیم پائی۔

بہرحال کہیں پڑھا ہو۔ مقام میں حجت بازی سے کیا حاصل اصل مقصود تو یہ ہے کہ ہلاکت کنس کے بعد متھرا کے باہر پردیس جاکر انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اور تمام علوم و فنون روحانی و جسمانی۔ رزمی و بزمی حدکمال تک انہوں نے سیکھے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ (۶۴) دن میں انہوں نے سب کچھ سیکھ لیا۔ اور مہابھارت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلیم میں دس برس مصروف رہے۔

جس وقت وہ پڑھنے چلے تو انہوں نے اپنے ماں باپ واسدیو اور دیوکی سے اجازت حاصل کی۔ اور بندرابن میں نند اور جسودھا کو بھی پیام بھیجا۔ اور ان سے رخصت منگوائی۔ اور تمام گوپ گوپیوں کو سلام پیام بھجوائے۔ اور جب تک تعلیم میں مصروف رہے برابر اپنے اصل والدین اور پالنے والے ماں باپ کے پاس خیریت نامے بھیجتے رہے۔

متھرا پر ہولناک یورش

سری کرشن جی کے ماموں کنس کی شادی راجہ جراسندھ سے ہوئی تھی جو مگدھ کا شہنشاہ تھا۔ ملک مگدھ غالبًا اودھ بہار واڑیسہ کے ممالک پر شامل ہوگا۔ اسوقت ہندوستان میں راجہ جراسندھ سب سے بڑا طاقتور مانا جاتا تھا۔ اور سینکڑوں سورما راجاؤں کو اسنے شکست دیکر اپنا قیدی بنا رکھا تھا۔ کنس کے غرور و تکبر کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس کو اپنے سسرے مہاراجہ جراسندھ کی قوت و شوکت کا گھمنڈ تھا۔

جس کے خوف سے سدا ہندوستان ڈرتا اور لرزتا تھا۔

جس وقت ملک مگدھ میں راجہ کنس کے قتل کی خبر پہنچی تو جراسندھ آگ بگولا ہو گیا۔ اور اُس نے اپنے داماد کا انتقام لینا چاہا۔ اور ارادہ کیا کہ جادو خاندان کے بچہ بچہ کو فنا کر کے دم لوں گا۔ یہ سوچکر بے شمار سواروں۔ پیادوں اور ہاتھیوں کی فوج لیکر متھرا کی جانب آندھی کی طرح اُٹھا۔ متھرا میں خبر آئی تو یہاں سب کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ اور اُنہوں نے سری کرشن اور بلرام کو کانشی سے بلوایا۔ یہ دونوں بھائی فوراً روانہ ہوئے اور جراسندھ کے متھرا پہنچنے سے پہلے متھرا پہنچ گئے۔

جراسندھ آیا اور اہل متھرا سے بڑے زور شور کا معرکہ لڑا۔ مگر اُن میں سری کرشن اور بلرام نے ایسی بہادری اور لڑائی کے ہنر دکھلائے کہ جراسندھ سے متھرا کا ایک بال بیکا نہ ہو سکا۔ اور وہ مایوس و نامراد اپنے ملک کو اُلٹا پھر گیا۔ مگر دوسرے سال پھر بڑی بھیڑ بھاڑ سے آیا۔ اور ناکام بھاگا۔ یہاں تک کہ اُس نے اٹھارہ حملے کئے مگر کسی حملہ میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ تو اُنیسویں دفعہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام کا ٹڈی دل لیکر بڑی خونخواری کے ساتھ کڑکتا گرجتا حملہ آور ہوا۔

سری کرشن اعلےٰ تعلیم۔ قدرتی ذہانت اور غیبی مکاشفات سے ایسے ماہر جنگ ہو گئے تھے کہ اُنہوں نے اس دفعہ مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور سمجھ لیا کہ اتنے عظیم لشکر کا سامنا کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس واسطے اُنہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور تمام جادو خاندان کے افراد کو لیکر متھرا سے نکل گئے۔ اور کاٹھیاواڑ و گجرات کے آخری کونے پر سمندر کے کنارے ایک قلعہ بنا کر آباد ہو گئے۔ جس کا نام اُنہوں نے دوارکا رکھا اور جو پہلے کشتی ہتلی کے نام سے مشہور تھا۔ یہی دوارکا ہے جو متھرا اور بندرابن کے بعد آج تک تمام ہندوؤں کا مشہور تیرتھ (زیارت خانہ) مانا جاتا ہے۔

کرشن جی جب دوارکا گئے ہیں تو اُن کے ہمراہ خاص اُن کی برادری جادو نسل کے

(اٹھارہ) ہزار آدمی تھے۔ دوارکا کو انہوں نے ایک مضبوط چھاؤنی اور مستحکم قلعہ بنا لیا۔
اور دشمنوں سے محفوظ ہو کر وہاں رہنے لگے۔

کرشن جی کی پہلی شادی

ملک برار میں ایک راجہ تھا جس کا نام بھیشمک تھا۔ اور اُسکی ایک لڑکی تھی۔ نہایت حسین۔ قبول صورت۔ رُکمنی نام مُلکوں مُلکوں اُسکی صورت و سیرت کی دھوم تھی۔ بڑے بڑے شہزادے رُکمنی کے نادیدہ حُسن و جمال پر عاشق ہو رہے تھے۔ سری کرشن جی نے رُکمنی کی تعریف سُنی تو ان کو بھی اس کا خیال ہو گیا۔ اور چونکہ کرشن جی بھی نہایت خوبصورت تھے اور گھر گھر اُن کے حُسن کا چرچا تھا۔ اس واسطے رُکمنی کے دل میں بھی بے دیکھے سری کرشن کا عشق پیدا ہو گیا تھا۔ اُس زمانہ میں ہندوؤں کی عورتیں شوہر پسند کرنے میں آزاد و مختار تھیں۔ اور رُکمنی کو حق حاصل تھا کہ وہ خود باپ سے کہکر اپنا خاوند پسند کر لیتی اور سری کرشن سے اُن کی شادی ہو جاتی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سری کرشن کے حریف راجہ جراسندھ کا سپہ سالار ششوپال بھی رُکمنی کا خواستگار تھا۔ اور جراسندھ کی ہیبت راجگان ہندوستان پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی شخص اُس کے حکم اور اشارے کے خلاف سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ برار کے راجہ بھیشمک (یعنی رُکمنی کے باپ) پر جراسندھ نے ششوپال کے لئے زور ڈالا تھا اور راجہ بھیشمک نے جراسندھ کے دباؤ سے اس پیام کو منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ شادی قرار پا گئی اور ششوپال برات لیکر برار کیطرف روانہ ہوا (ششوپال سری کرشن کا بھی قرابت دار تھا۔ حسن نظامی)

سری کرشن جی کو اسکی خبر ہوئی تو وہ بھی اپنے خاندان کے منتخب سرداروں کو لیکر تبدیل لباس میں برار پہنچے۔

لکھا ہے کہ رُکمنی جی نے خفیہ طور سے خود سری کرشن کو اسکی اطلاع دی تھی۔ اور

اُن کو بُلایا تھا۔ جس وقت سری کرشن منڈین میں پہونچ گئے جو ملک برار کا پایہ تخت تھا۔
تو رکمنی جی نے اُن کو اطلاع دی کہ میں مندر جانے کے بہانے سے گھر کے باہر نکلونگی۔
تم فلاں موقعہ پر سواری لئے تیار رہنا تاکہ میں تمہارے ساتھ دوارکا نکل چلوں۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سری کرشن جی رکمنی کو چپ چاپ رتھ میں بٹھا کر اور لیکر چلے گئے
کچھ دیر تو یہ خبر چھپی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ چرچا ہوا اور رکمنی کے بھائی رکمن کو اسکی خبر لگ گئی
تو وہ غصہ سے بیتاب ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بہادر سواروں کا ایک دستہ لیکر سری کرشن
کے پیچھے چڑھ دوڑا۔ اگرچہ سری کرشن بہت تیز جا رہے تھے۔ لیکن رکمن اس یلغار سے
آیا کہ سری کرشن راستہ میں اُسکے ہاتھ آگئے۔ اور گھر گئے۔ دونوں فریق کے آدمیوں
نے تلواریں کھینچ لیں۔ اور خونریز لڑائی ہونے لگی۔ لیکن آخر رکمن کو شکست ہوئی۔
اور اُس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ قریب تھا کہ رکمن بھی سری کرشن کے ہاتھ سے مارا جائے
مگر رکمنی جی نے اپنے بھائی کی سفارش کی اور سری کرشن اُس کے قتل سے باز آگئے
رکمن واپس ہوکر منڈین چلا آیا اور سری کرشن جی رکمنی کو لیکر دوارکا پہنچ گئے۔ اور وہاں جاکر
رسم راکشس رکمنی سے شادی کر لی۔

ہندو فقہ کے بموجب شادی کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام راکشس ہے
راکشس رسم سے شادی اُسوقت ہوتی تھی جب کوئی چھتری نسل کا شخص کسی لڑکی کو بیٹی
والوں سے لڑکر یا اُن کی مرضی کے خلاف چھپا کر لیجاتا تھا تو راکشس رسم کے بموجب
شادی کرتا تھا۔

اس شادی کا ان بہادر لوگوں میں عام رواج تھا۔ اور کوئی شخص اس کو عیب
نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ دلیری اور شجاعت کا ایک کارنامہ کہا جاتا تھا سری کرشن جی پر مخصوص نہیں
ہے۔ اُس زمانہ کے اور بڑے بڑے بزرگوں نے بھی اس قسم کی شادیاں کی ہیں۔
چنانچہ بھیشم پتاما جو بہت بڑے بزرگ ہندو مانے جاتے تھے کاشی کے راجہ کی دو

لڑکیوں کو اُن کے باپ کی مرضی کے خلاف چھین لائے تھے کیونکہ ان کے باپ نے
بیٹی دینے سے انکار کیا تھا۔ خود کرشن جی کی بہن سوبھدرا کو کرشن جی کا شاگرد ارجن
چُرا کر لے گیا تھا۔ اور آگے جا کر معلوم ہو گا کہ خود کرشن جی نے ارجن کو خفیہ طور سے
اس فعل کی اجازت دی تھی۔ کیونکہ سری کرشن کے خاندان والے ارجن کو اپنی بیٹی
دینے پر راضی نہ تھے۔ راجہ پرتھی راج کا بھی ایک واقعہ کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ وہ
بھی سن جوگتا نامی لڑکی کو اسیطرح لے گئے تھے۔ اور "راکشس" رسم کے موافق اس سے
شادی کی تھی۔

جن قوموں کے ہاں یہ رواج نہیں ہے اُن کو اس رسم پر تعجب ہو گا۔ بلکہ خود
ہندو جنہوں نے اپنی قدیمی روایتوں کو بھلا دیا ہے۔ آج کل اس رسم کو سنکر کہینگے
کہ یہ بہت معیوب رسم تھی۔ لیکن اگر وہ فلسفہ شادی پر غور کریں تو ان کو معلوم ہو گا
کہ اس میں عیب اور خرابی کی کوئی بات نہیں ہے۔ شادی عورت مرد کی باہمی رضامندی
کا نام ہے۔ جس کی تکمیل سوسائٹی اور برادری کے مجمع میں ہوتی ہے۔ لیکن اگر عورت
کے وارث عورت کی مرضی کے خلاف جبر کریں تو عورت کو قدرتاً حق حاصل ہے
کہ وہ اپنے پسندیدہ شوہر سے باختیار خود شادی کرلے۔ اور شوہر کو لازم ہے کہ اپنے
بازو کی قوت سے مخالفوں کو زک دیکر اس عورت کو اُن سے چھین لے جو اُسکے ساتھ
زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے۔

پس کرشن جی نے جو کچھ کیا اپنے زمانہ کے دستور کے موافق کیا۔ اور ہندو فقہ کی
اجازت سے کیا۔ غیر اقوام کو کچھ بھی حق نہیں ہے کہ جو کسی قوم کے رواج عام پر
زبانِ طعن کھولیں۔

سری کرشن کی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں

کرشن جی کا نام مہابھارت کی مشہور لڑائی میں سورج اور چاند کی طرح جگہ جگہ

چکتا نظر آتا ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مہابھارت سے پہلے ان کو اور بھی کئی معرکے پیش آئے ہیں۔ وشنو پران کے ۲۹ ویں ادھیائے میں ایک لڑائی کا ذکر ہے۔ جس میں سری کرشن نے ملک آسام کے پایۂ تخت پراگ جیوتش پر حملہ کیا تھا۔ اس علاقہ کا راجہ بڑا ظالم تھا جس کا نام نرک تھا۔ یا تو اُس کا نام ہی نرک ہو گا۔ یا خلقت نے اُسکے مظالم کے سبب سے نرک (یعنی دوزخ) نام رکھہ دیا ہو گا۔ راجہ نرک اپنی رعایا کی بیویوں اور لڑکیوں کو چھین چھین کر بہ نیت حرام کاری لیکے گھر میں ڈال لیتا تھا۔ اور اُن کے مال ومتاع کو بھی ظلم وستم سے غصب کر لیتا تھا۔

سری کرشن کی بہادری اور مظلوم نوازی کا غلغلہ پڑا تو آسام کے باشندے دوارکا میں سری کرشن کے پاس آئے اور اُن سے فریاد کی۔ سری کرشن ان بیکسوں کی مدد کے لیے تیار ہو گئے اور فوج لیکر آسام پہنچے۔ اور راجہ نرک سے بڑی خونریز لڑائی لڑی۔ جس میں راجہ کام آیا۔ اور اُسکے محل میں سے سولہ ہزار عورتیں نکلیں جن کو اس موذی نے قید کر رکھا تھا۔ اور سری کرشن کی بدولت ان بے زبانوں کو رہائی اور آزادی میسر آئی۔

وشنو پران میں ایک دوسری لڑائی کا حال اور لکھا ہے جو کرناٹک کے راجہ بان سے سری کرشن کی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرشن جی کا پوتا انی رودھ راجہ بان کی بیٹی اوشا پر عاشق ہو گیا تھا۔ اوشا کو اسکی خبر ہوئی تو اُس نے چھتری رسم کے موافق جس کا ذکر اوپر آیا ہے انی رودھ کو پیام بھیجا۔ کہ تو کرناٹک آکر مجھکو چرا لے اور اپنے ساتھ لیجا۔ میرا باپ ہرگز تیرے ساتھ شادی نہ کرے گا۔ چنانچہ انی رودھ کرناٹک پہنچا اور اوشا کی ترکیب کے موافق محلوں میں داخل ہو گیا۔ قریب تھا کہ اپنی معشوقہ اوشا کو لیکر باہر نکل جائے۔ کہ اتنے میں خبر کھل گئی اور راجہ بان نے اپنی بیٹی اوشا اور انی رودھ کو گرفتار کر لیا۔ اور قید خانہ میں ڈال دیا۔

چونکہ راجہ بان کی یہ حرکت چھتری دستور کے خلاف تھی اور اسنے ہندو شاستروں کے حکم کو پس پشت ڈال کر اپنی بیٹی کے پسندیدہ شوہر کو قید کیا تھا۔ اس واسطے سری کرشن پر فرض ہوا کہ کرناٹک پر چڑھائی کریں۔ اور بان کو اسکی شرارت کا مزا چکھائیں۔ چنانچہ سری کرشن اور بلرام فوجیں لیکر کرناٹک پر چڑھ گئے اور ایک مہیب مقابلہ کے بعد راجہ بان کو شکست دی اور اپنے پوتے انرودھ کو اسکے ہاتھ سے چھڑا کر دوارکا لے آئے۔

وشنو پران میں ایک اور لڑائی کا حال بھی لکھا ہے۔ یہ جنگ بنارس کے راجہ پونڈر سے ہوئی تھی۔ اس راجہ نے یہ شرارت کی تھی کہ اپنا لقب واسدیو اختیار کیا تھا۔ اور ناظرین جانتے ہیں کہ واسدیو شری کرشن کے والد کا نام تھا۔ اور سری کرشن کو بھی واسدیو کے نام سے لوگ پکارتے تھے۔ اس شیطنت کے علاوہ راجہ پونڈر نے سری کرشن کو ایک گستاخانہ خط بھی لکھا تھا جس میں اُن کو جعلساز اور مکار کے بیہودہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا۔ مگر آفرین ہے سری کرشن کے ضبط و تحمل کو کہ انہوں نے پونڈر کی تمام کمینہ حرکات کی کچھ پروا نہ کی۔ اور صبر کر کے چپ ہو گئے۔ اسپر اس بدذات کو یہ جرأت ہوئی کہ دوارکا پر چڑھ آیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ سری کرشن کیلاش کی زیارت کو گئے ہوئے تھے۔ اُن کی عدم موجودگی میں راجہ پونڈر نے دوارکا پر غضب خون مارا۔ سری کرشن جی کو خبر ہوئی تو وہ بھی گرجتے ہوئے ابر کی طرح اُٹھے چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تلوار کھینچی۔ اور مسمار کرنے والے اولوں کی مانند راجہ پونڈر کی فوج کو بھس بنا کے رکھ دیا۔ خبیث پونڈر بھی اسی لڑائی میں جہنم رسید ہوا۔

کورو پانچال

مہابھارت کا نام سُنا ہوگا۔ یہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور مشہور

لڑائی تھی۔ اور اسکو موجودہ جنگ یورپ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ جنگ کورو اور پانچال دو قوموں کے درمیان برپا ہوئی تھی۔ یہ دونوں قومیں علٰحدہ علٰحدہ علاقوں پر شمالی ہند میں حکمراں تھیں۔ کورو قوم کا راجہ پانڈو تھا۔ اور پانچال قوم کا تاجدار دروپد تھا۔

راجہ پانڈو کا ایک بھائی دھرت راشٹر نام تھا۔ مگر دھرت راشٹر آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس واسطے تخت سے محروم رہا۔ اور سلطنت اُس کے بھائی پانڈو کے حصہ میں آئی۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک کا نام یدھشٹر۔ دوسرے کا ارجن۔ تیسرے کا بھیم چوتھے کا نکل پانچویں کا سہدیو۔ اور پانڈو کے نابینا بھائی دھرت راشٹر کے بیٹے کا نام دریودھن تھا۔

جب راجہ پانڈو مر گیا۔ تو قاعدہ کے موافق تخت پر پانڈو کے بڑے بیٹے یدھشٹر کو بیٹھنا چاہیئے تھا۔ مگر اندھے دھرت راشٹر کے بیٹے دریودھن نے کوشش کی کہ اپنے چچازاد بھائی یدھشٹر کو محروم کر کے خود تاج و تخت کا مالک ہو جائے۔ بلکہ یہاں تک سامان کیا کہ چچا کے ان پانچوں بیٹوں کو کسی طرح ہلاک کر کے سلطنت کو اپنے واسطے بے خار بنا لے۔

پانڈو کے پانچوں لڑکے عقل میں۔ علم و ہنر میں۔ قابلیت جنگ میں دریودھن سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دریودھن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یہ پانچوں بھائی اُسکے فتنے سے محفوظ رہے۔ مگر آپس میں عناد اور عداوت اتنی بڑھ گئی کہ ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا رہنے لگا۔ اندھے راجہ دھرت راشٹر نے جب یہ حالت دیکھی تو اُسنے پانڈو کے پانچوں لڑکوں سے کہا کہ "تم شہر ورن ورات میں جا رہو۔ وہاں تمہارے واسطے میں محل تیار کرا دوں گا۔ اُس میں جا کر آرام سے زندگی بسر کرو۔ اور میرے بیٹے دریودھن سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ چھوڑ دو۔" اگرچہ دھرت راشٹر کا فیصلہ بالکل خلاف انصاف تھا

کیونکہ پانڈو کے بیٹے حکومت کے حقدار تھے۔ اور دریودھن کو خواہش سلطنت کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ مگر پانڈو کے پانچوں لڑکوں نے اپنے بزرگ چچا کا کہنا مانا۔ اور ترک وطن پر تیار ہو گئے۔ اور پانچوں میں سے ایک نے بھی یہ نہ کہا کہ اگر آپ کو نکالنا ہے اور فتنہ و فساد روکنا ہے تو اپنے بیٹے دریودھن کو نکال دیجئے۔ ہم اپنے باپ کے تخت کے وارث ہیں۔ ہم کیوں جلا وطن ہوں؟ مگر نہیں وہ پانچوں اپنے بڑوں کے اطاعت گذار اور نیک خیال لڑکے تھے۔ چچا کا حکم سنتے ہی ورناوارت کو چلے گئے۔

شہر ورناوارت شاید میرٹھ کے پاس ہوگا۔ یا میرٹھ ہی کا نام ورناوارت ہو۔ کیونکہ آگے جا کر جس محل کا ذکر آئے گا اُس محل کے کھنڈرات تک ضلع میرٹھ میں موجود ہیں۔ اور میں نے اُن کو دیکھا ہے۔

جب پانڈو کے پانچوں لڑکے ترک وطن پر آمادہ ہو گئے تو دریودھن نے اپنے ایک محرم راز امیر کو جس کا نام پروچن تھا۔ آگے بھیج دیا۔ اور کہہ دیا کہ جو محل یدھشٹر اور اُس کے بھائیوں کے لیے تیار کیا جائے اُس میں لاکھ اور چند دیگر ایسے مصالحے لگائے جائیں جن کو آگ جلدی پکڑ لیتی ہے۔ اور وہ فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں۔ تاکہ جب پانڈو زادے اس محل میں جا کر آباد ہوں تو ایک دن بے خبری میں رات کے وقت محل میں آگ لگا دی جائے اور یہ پانچوں اُس میں جلکر خاک ہو جائیں۔

دریودھن اور پروچن کی اس سازش کا حال یدھشٹر کے دوسرے چچا ودر کو معلوم ہو گیا اور اُس نے اپنے پانچوں بھتیجوں کو اسکی خبر دیدی۔ چنانچہ یہ پانچوں بھائی آگ لگنے سے پہلے محل کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب آگ لگائی گئی تو اُنہیں کچھ نقصان نہ پہنچا اور محل جل کر ڈھیر ہو گیا۔ محل سے نکل کر یہ پانچوں نے برہمنوں کا بھیس بدل لیا اور جنگل جنگل پھرنے لگے۔ تاکہ ان کا بھائی دریودھن کوئی اور شرارت ان کے جان لینے کی نہ کرے۔

لاکھا منڈپ

لاکھ کے محل کا ذکر آیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اُس کے جائے وقوع
کو بیان کروں۔ کیونکہ میں نے اِس مقام کو بارہا دیکھا ہے۔ اور اسکے دیکھنے سے
گذشتہ زمانہ کی تاریخ کا خیال کر کے گھنٹوں مدہوش و بے حال رہا ہوں۔ اِس
لاکھی محل کا نام اب تک اُس علاقہ میں "لاکھا منڈپ" مشہور ہے۔ موجودہ شہر میرٹھ
سے سولہ سترہ میل دور قصبہ برناوہ اور قصبہ بنولی کے سامنے اور آبادی شیخوپورہ
کے قریب کرشنا ندی کے کنارے ایک بہت بلند ٹیلہ نظر آتا ہے۔ جس کے شرق میں
کرشنا ندی بہتی ہے۔ اور شمال میں برناوہ کا قصبہ ہے۔ اور مغرب میں قصبہ بنولی
ہے۔ اور جنوب میں بستی شیخوپورہ۔ اِس ٹیلے کی سب سے بلند آخری چوٹی پر ایک
درگاہ بنی ہوئی ہے۔ جس میں حضرت مخدوم بدر الدین چشتی رح کا مزار ہے۔ مخدوم صاحب
حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رض کے خلیفہ تھے اور چراغ دہلی صاحب
حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رض کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اور آج سے
چھ سو برس پہلے حضرت مخدوم بدر الدین نے اِس ٹیلہ پر اپنی خانقاہ بنائی تھی۔
اور وفات کے بعد وہیں ان کا مزار بنا۔ برناوہ اور شیخوپورہ میں ان کی اولاد اب تک
آباد ہے۔ اور علاقہ کی زمینداری اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ میں اِس ٹیلہ کے چاروں
طرف بغرض جستجو و تلاش پھرا تو معلوم ہوا کہ درگاہ وسط ٹیلہ پر ہے۔ اور آس پاس
بہت بڑا میدان خالی پڑا ہے۔ جو سطح زمین سے اِس قدر بلند ہے کہ خواہ مخواہ
خیال ہوتا ہے کہ اِس ٹیلے کے اندر ضرور کچھ عمارتیں یا وقت قدیم کی نشانیاں دبی
پڑی ہوں گی۔ میں نے ایک جگہ مٹی کا ایک بڑا ڈھیر گرا ہوا دیکھا جو پانی کے اثر سے
بہہ گیا تھا۔ اُس کے اندر ڈیڑھ فٹ مربع اور تقریباً چار انچ موٹی اینٹیں تھیں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس ٹیلے کے اندر پُرانے زمانہ کی یہ عجیب وغریب
اینٹیں دبی پڑی ہوں گی۔ اور خبر نہیں اور کیا کیا اسمیں مخفی ہوگا۔ ہندؤں سے
کون کہے کہ اپنے اِس تاریخی ٹیلے کو کھودوا کر دیکھو۔ اور اپنے آثار قدیم کی
حفاظت پر متوجہ ہو۔ اِن کو تو آج کل نیا آدمی بننے کا شوق زیادہ ہے۔ پُرانی
چیزوں سے تو وہ نفرت کرتے جاتے ہیں۔

یہی وہ "لاکھا منڈپ" ہے جو "دھرت راشتر" نے اپنے بھتیجوں کے واسطے
بنوایا تھا۔ اور یہ ہی وہ لاکھی قلعہ ہے۔ جس میں درِیودہن نے اپنے چچازاد بھائیوں
کی ہلاکت کے لیے آتشگیر مادے رکھوائے تھے۔ اور ان میں آگ لگوائی تھی۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس مقام پر سری کرشن بھی آئے ہیں۔
کیونکہ جب ان کی پھوپی رانی کنتی راجہ پانڈو کی بیوی ارجن وغیرہ کی والدہ یہاں
رہتی تھیں۔ اور ایک دفعہ اُنھوں نے قسم کھالی تھی کہ جب تک گنگا کے درشن نہ کرونگی
(یعنی گنگا کو بہتا ہوا اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں گی) اُس وقت تک دانہ پانی نہیں کھانے
پینے کی۔ تو کرشن جی نے ایک بان (ایک قسم کا آتشی ہتیار) اپنی باطنی طاقت سے
پھینکا وہ اُس بان نے زمین کو چیر کر گنگا کی لہر نمودار کردی۔ جس کے دیکھنے سے
رانی کنتی کی قسم پوری ہوئی۔ یہ مقام "بان گنگا" کے نام سے مشہور ہے۔ اور لاکھا
منڈپ سے دوڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہندو وہاں جاکر اشنان
کرتے ہیں۔ میں نے بھی اسکو موقع پر جاکر دیکھا تھا۔

دروپدی کی شادی

میں نے ابھی لکھا ہے کہ کورو اور پانچال دو قومیں تھیں۔ کوروں کا حال تو
سن لیا۔ جن میں پانڈو والد اُسکے پانچوں بیٹے اور دھرت راشترا ور دریودہن تھے۔

اب پانچال کا حال سنو۔ پانچال کے راجہ درُوپد کی ایک لڑکی تھی جس کا نام
درَوپدی تھا۔ اُس وقت کے ہندو راجاؤں میں بعض جگہ یہ دستور تھا کہ لڑکی کا باپ
جب اُسکی بیٹی شادی کے قابل ہوجاتی تو ایک جلسہ دعوت مہیا کرتا تھا۔ جس میں
دور دور کے راجہ زادے شادی کے خواستگار جمع ہوتے تھے۔ اور ان کا مجمع
عام میں کسی خاص جنگی ہنر میں امتحان لیا جاتا تھا۔ جو راج کنور امتحان میں کامیاب
ہوتا تو راجہ کی لڑکی پھولوں کا ہار اُسکے گلے میں ڈالدیتی۔ اور وہ اس کا شوہر
منتخب ہوجاتا۔ اِس جلسۂ دعوت کا نام سنسکرت زبان میں سوئمبر ہے۔
چنانچہ راجہ درُوپد نے بھی سوئمبر کا انتظام کیا۔ کیونکہ اُسکی لڑکی درَوپدی
شادی کے قابل ہوگئی تھی۔ دور دور کے راجہ زادے اور راجہ اِس جلسہ میں جمع
ہوئے تھے۔ پانڈو کے پانچوں بیٹے یدھشٹر۔ ارجن۔ نکل۔ سہدیو۔ بھیم بھی برہمنوں
کے لباس میں بھیس بدلے ہوئے اِس جلسہ میں آئے اور برہمنوں کی صف میں آکر بیٹھ گئے۔ اِس سوئمبر میں تماشائی قطر
یہ تھی کہ تیل کی ایک کڑھائی میں ایک چکر کے اوپر مچھلی کی تصویر بنائی گئی تھی۔ جو چکر
گردش کرتا تھا۔ اور مچھلی کو بھی اُسکے سبب قرار نہ تھا۔ اِس واسطے شرط مقرر کی
گئی تھی کہ مچھلی کو آنکھ سے دیکھے بغیر صرف تیل میں اُس کا عکس دیکھکر جو شخص تیر چلائے
اور مچھلی کی آنکھ کو پھوڑ ڈالے درَوپدی کا بیاہ اُس سے کیا جائے گا۔
امتحان کا وقت آیا۔ تو ایک ایک شہزادہ اور راج کنور اُٹھتا تھا اور تیر چلاتا تھا۔
مگر کسی کا تیر مچھلی کی آنکھ پر نہ پڑتا تھا۔ اور وہ بیچارہ کھسیانا ہوکر خاموش اپنی جگہ آن
بیٹھتا تھا۔ آخر راجہ کرن تیر کمان لیکر اُٹھا تو درَوپدی نے جو دربار میں موجود تھی۔
بے اختیار پکار کر" اِس رتھ بان کے لڑکے کو بٹھا دو۔ اِسکو امتحان میں شریک نہ کرو
میں اِس سے شادی کرنی نہیں چاہتی"۔ درَوپدی کا یہ کہنا تھا کہ بیچارے کرن پر گھڑوں
پانی پڑ گیا۔ اور تمام دربار کے لوگ مُسکرانے لگے۔ اور کرن اپنا سا منہ لیکر اُلٹا پھرا اور آکر

بیٹھ گیا۔

جب سب "راج کنور" امتحان میں فیل ہو چکے تو ارجن کھڑا ہوا جو برہمنوں کی صف میں برہمن بنا بیٹھا تھا۔ اور اُس نے اُٹھتے ہی ایسی پھرتی سے کمان ہاتھ میں لیکر تیر چلایا کہ وہ سیدھا مچھلی کی آنکھ پر جا کر لگا۔ اور ہدف کے پار ہو گیا۔ دروپدی نے آگے بڑھکر پھولوں کا ہار اُسکے گلے میں ڈالدیا۔ گویا اُسکو اپنی زوجیت کا سارٹیفکٹ دیدیا۔

دربار میں جس قدر چھتری نسل کے راجہ مہاراجہ بیٹھے تھے وہ سب کے سب ایکدم بگڑ گئے۔ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھدئے بعض نے خنجروں کو میانوں سے کھینچ لیا۔ اور غضب ناک ہو کر بولے "یہ کبھی نہیں ہو سکیگا کہ ایک چھتری نسل کی لڑکی کو ایک برہمن جیت کر لیجائے۔ تیر اتفاقیہ مچھلی کی آنکھ میں لگ گیا ہے ہم اپنے جیتے جی کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ایک برہمن ہماری آنکھوں کے سامنے راجپوتی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالے۔"

دربار کے بگڑے ہوئے تیور دیکھکر ان پانچوں بھائیوں نے بھی تلواریں میان سے کھینچ لیں اور تلخ باتوں کا جواب ترش تلوار سے دینے پر آمادگی ظاہر کی۔

سری کرشن جی بھی اپنے تمام خاندان والوں کے ساتھ اس دربار میں موجود تھے۔ فساد کی صورت دیکھکر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے للکار کر کہا "خبردار بیٹھ جاؤ یہ برہمن شرط جیت چکا۔ دروپدی اُس کا حق ہو گئی۔ انصاف کے سامنے ذات پات کوئی چیز نہیں ہے۔ اور برہمن تو چھتری سے اونچی ذات ہے کسی شخص کو اسمیں اعتراض اور مخالفت کا حق نہیں ہے۔"

کرشن جی کے چند جملے ایسے گرم اور موثر تھے کہ راجاؤں کی بھڑکتی ہوئی

آگ پر ٹھنڈا پانی بنکر پڑے۔ اور دم کے دم میں اُسکو بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔ تمام دربا
نے دروپدی کے باپ سمیت سر جھکا دیا۔ اور دروپدی کی شادی ارجن سے ہو گئی۔

سری کرشن کا وقار و اقتدار

اب یہاں یہ بات ذرا سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ جو آریہ سماجی سری کرشن
جی کو محض دنیا کا آدمی سمجھتے ہیں۔ اور مذہبی عظمت و برتری تسلیم نہیں کرتے
اُن کے خیال میں سری کرشن ایک بڑے مدبر اور ایک نہایت دانا و ہوشیار راجہ
تھے۔ روحانی یا مذہبی شان اُن میں کچھ نہ تھی۔ تو کیا موجودہ واقعہ میں یہ دشواری
پیش نہ آئے گی کہ اتنے بڑے دربار میں جہاں سری کرشن جی کے مُلک سے
اٹھ گنے اور دس گنے بڑے بڑے ملکوں کے راجہ اور سری کرشن کی عمر سے بہت
زیادہ بڑی بڑی عمروں کے مہاراجہ موجود تھے۔ جنہیں سری کرشن کی عقل سے
زیادہ عقل تھی۔ سری کرشن کے علم سے زیادہ علم تھا۔ سری کرشن کے فنون
حرب سے زیادہ لڑائی کے فنون جانتے تھے پھر کیا وجہ ہوئی جو اُنہوں نے
نوجوان لڑکے کا کہنا مان لیا۔ اور ایسے معاملہ میں مان لیا جو اُن کے خیال میں عزت و
ناموس کا معاملہ تھا جس کے لیے وہ لوگ اور آج تک اُن کی اولاد یعنی راجپوت
جانوں کو کھو دینا کچھ بڑی بات نہیں سمجھتی۔ اِس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن
کی کوئی مذہبی عظمت ان لوگوں کے دل میں ضرور تھی۔ اسکے بغیر وہ ہرگز سری کرشن کا
کہنا نہ مانتے۔ اور ایک مجہول الحال بھکاری نما برہمن کو اپنی بیٹی نہ دیتے۔ آگے جا کر اسی
قسم کا ایک اور واقعہ آئے گا۔ جہاں بھیشم پتاما جیسے مرد اعظم نے اس کا اظہار کیا ہے
کہ میں سری کرشن کی پوجا کرتا ہوں۔ اور بھی چند واقعات ہیں جن کا ذکر آگے جا کر آئیگا۔
ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کرشن جی کی شہرت اور عزت عقلمندی او

فنون حرب کی واقفیت کے سبب نہ تھی کیونکہ ان سے اس قسم کا کوئی بڑا کام اسوقت تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ محض روحانی اعتبار سے عام خلقت اور ملکوں کے راجہ مہاراجہ ان کو اوتار اور پیشوائے اعظم سمجھنے لگے تھے۔ چونکہ آریہ سماج والوں کو مسئلہ اوتار سے انکار ہے۔ اس واسطے وہ سرے سے کرشن جی کی مذہبی عظمت ہی کا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لالہ راجپت رائے صاحب نے اپنی کتاب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ موقعہ ہوا تو ان کی تحریر پر یا تو اسی کتاب میں یا اس کے دوسرے حصہ میں ایک مفصل ریویو کر کے دکھاؤں گا۔ کہ سری کرشن ضرور ایک مذہبی آدمی تھے۔ اور ہندوؤں کو ان کی عظمت ایک دینی پیشوا کی طرح سے کرنی چاہیے۔

دروپدی کے پانچ خاوند

بیان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ دروپدی کو جیتنے والا ارجن تھا مگر اس کے خاوند پانچوں بھائی ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ ایک ایک رات ہر بھائی دروپدی کے پاس رہے۔ یہ بیان ایسے وثوق سے ہوتا ہے کہ کوئی ہندو اس کا انکار نہیں کرتا۔

میرے خیال میں اس میں بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چونکہ ان پانچوں بھائیوں کے آپس میں از حد محبت تھی خصوصاً چاروں بھائی اپنے بڑے بھائی یدھشتر کی بہت تعظیم و عزت کرتے تھے۔ اس واسطے انہوں نے اجنبیت اور غیریت کو دور کرنے کے لیے یہ سمجھوتا کر لیا ہوگا کہ ارجن کی بیوی سے دیوروں اور جیٹھوں کا سا برتاؤ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ہندوؤں کے ہاں عورتیں جیٹھ اور دیور کا بہت لحاظ کرتی ہیں اور شرم حیا سے نہ اُن کے سامنے بات چیت کرتی ہیں نہ چلتی پھرتی جس کے سبب بعض اوقات نہایت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور خانہ داری کے کاروبار میں خلل

اختیار حاصل بھی ہو تب بھی میں یہی کہوں گا کہ درَوپدی جی ارجن کی بیوی تھیں۔ اور ارجن ہی نے ان کو جیتا تھا۔ اور ارجن کے چاروں بھائیوں کو درَوپدی کی عزتی جیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور وہ ہرگز ہرگز درَوپدی سے ملوث نہ تھے۔ کیونکہ ان کے حالات زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاروں خصوصاً بھیشم تر بڑے پاکباز اور نیک چال چلن کے تھے۔ اور مہابھارت کے خونریز ہنگاموں میں جس وقت کہ بڑے بڑے ایمان دار لوگ ڈگمگا جایا کرتے ہیں۔ ان بھائیوں کے قدم حق اور راستی و پاک بازی اور نیک چلنی سے چانول برابر بھی ادھر اُدھر نہیں سرکے۔

یہ جھوٹ ہے کہ درَوپدی پانچ شوہروں کی بیوی تھی۔ یہ بہتان ہے کہ پانڈو کے پانچ لڑکے ایک بیوی (درَوپدی) میں شریک تھے۔ کوئی کچھ ہی کہے میں تو اپنے خیال اور ضمیر کو ان پاک لوگوں پر بہتان لگانے سے بچاؤں گا۔ اور ہرگز نہ مانوں گا کہ ان لوگوں نے بھول کر بھی ایسا گناہ کیا تھا۔

اندرپرست آباد ہوتا ہے

کچھ مدت تو یہ پانچوں بھائی ارجن کے خسر راجہ درَوپد کے مہمان رہے۔ لیکن جب ان کے چچا دھرت راشٹر دیودہن کے باپ نے سنا کہ میرے بھتیجوں نے راجہ درَوپد کی بیٹی درَوپدی کو جیت لیا۔ اور ارجن کی اُس سے شادی ہو گئی تو دھرت راشٹر نے خیال کیا کہ میرے بھتیجوں کا ایسی بے سروسامانی میں درَوپد کے ٹکڑوں پر پڑا رہنا میری بدنامی کا باعث ہوگا۔ اور خلقت کہیگی کہ اندھا بے ایمان ہوتا ہے۔ دریودھن اپنے بیٹے کی خاطر سگے بھتیجوں کو در در کی ٹھوکریں کھلوا رکھی ہیں اس واسطے اُسنے اپنے بھائی بھیشم پتامہ سپہ سالار فوج کو اور دوسرے بھائی وِدر جی کو اور تمام اہل دربار کو اپنے پاس جمع کیا۔ اور اُن سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ پانڈو کے لڑکوں کا حال

ان سب نے مُتفق جواب دیا کہ بہتر یہ ہے کہ اپنے ملک کا کچھ علاقہ بھتیجوں کو دیجئے
اور ایک غیر راجہ کے دروازے پر ان کو ڈالے رکھکر اپنے خاندان کی ناک کٹائی نہ کیجئے
دہرت راشتر نے اس مشورے کو قبول کیا۔ اور اپنے بھائی بدُر جی کو ایلچی بنا کر دروپد
کے دربار میں بھیجا کہ وہ پانڈو کے لڑکوں اور دروپدی کو ساتھ لے آئیں۔ جب بدُر جی
راجہ دروپد کے پاس پہنچے اور اُنہوں نے اُس سے دہرت راشتر کا پیغام کہا تو راجہ
دروپد نے جواب دیا کہ چونکہ دہرت راشتر نے مذہبی حکم کے خلاف اپنے بھتیجوں کے
ساتھ زیادتی کی ہے اور ان کے حقوق تلف کرنے میں دہرم کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا۔
اس لیئے اس کام میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سری کرشن یہاں موجود ہیں اور ابھی
تک دوارکا کو واپس نہیں گئے ہیں ہم تم دونوں کو چاہئے کہ اُن کے پاس چلیں۔
اور سارا حال کہکر فتوے پوچھیں۔ اگر وہ یہ جواب دیں کہ پانڈو کے لڑکے اور دروپدی
ہستناپور دہرت راشتر کے پاس چلے جائیں تو مجھے ان کے بھیجنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔
اور اگر ان کی رائے خلاف ہوئی تو مجکو اور تم کو ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔
اور پانڈو زادوں کو ہستناپور لیجانے کے لیئے ضد نہ کرنی چاہیئے۔

(اِس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن ایک مذہبی حیثیت اور پوزیشن
ہندو عوام اور ہندو حکمرانوں میں رکھتے تھے۔ ورنہ یہ مذہبی معاملہ انپر منحصر نہ رکھا جاتا)

الغرض بدُر جی اور راجہ دروپد سری کرشن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے
سارا واقعہ عرض کیا۔ سری کرشن جی نے فرمایا " دھرم کی رو سے خطا دہرت راشتر
اور اُس کے بیٹے دریودہن کی ہے۔ اُنہوں نے حقدار پانڈو زادوں کو بے حق کیا
اور دریودہن نے اِن بے گناہوں کی جان لینی چاہی۔ اِس واسطے ان کا وہاں جانا
ہرگز مناسب نہیں۔ مگر دھرت راشتر ان کا بزرگ ہے اور اولاد کی سعادت مندی
یہی ہو کہ ہر حال میں اپنے بزرگوں کا کہنا مانے۔ لہٰذا میں رائے دیتا ہوں کہ یہ

پانچوں ارجن کی بیوی سمیت ودُر جی کے ہمراہ ہستناپور چلے جائیں ؟
راجہ دروپد نے سری کرشن کے اس حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ اور دروپدی کے روانہ کرنے کا سامان کرنے لگے۔ جب پانڈو زادوں نے یہ خبر سُنی تو ارجن سری کرشن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سری کرشن ارجن پر بہت مہربان تھے۔ اور اُن کو اُسکے ساتھ از حد محبت تھی اور ارجن بھی اور سب لوگوں سے زیادہ سری کرشن کا معتقد اور فدائی تھا۔ ارجن نے عرض کیا ”اگر آپ ہم کو ہستناپور جانے کی آگیا (حکم) دیتے ہیں تو ہم بسر و چشم اسکی تعمیل پر آمادہ ہیں۔ مگر ہماری یہ التجا ہے کہ حضور بھی ہمارے ساتھ ہستناپور تشریف لے چلیں۔ تاکہ آپ کی برکت سے ہم پر خاندانی عداوتوں کا کوئی وار نہ چلنے پائے۔ سری کرشن مُسکرائے اور ارجن کی درخواست کو قبول کر لیا۔
الغرض یہ سارا قافلہ راجہ دروپد سے رخصت ہو کر ہستناپور آیا۔ اور یہاں دہرت راشٹر نے سری کرشن کے استقبال اور بھتیجوں اور بہو کی آؤ بھگت میں خوب دھوم دھام دکھائی اور چند روز کے بعد اپنے ملک کا ایک حصہ ”کھانڈو پرست“ بھتیجوں کو دیدیا۔
یہاں بھی دہرت راشٹر نے ایمان اور انصاف کو بُھلا کر ایک ایسی حرکت کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو وہ اندھے ہونے کے سبب بالکل اپنے بیٹے دریودہن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا یا خود اُسی کی نیت خراب تھی۔ اور لوگ اُسکو اندھا بے ایمان سچ کہتے تھے۔
”کھانڈو پرست“ بالکل غیر آباد اور اُجاڑ جنگل تھا۔ جہاں سوائے صحرائی درختوں اور خونخوار جنگلی قوموں کے اور کوئی صورت آمدنی اور خوبی کی نہ تھی۔ پانڈو زادوں کو جب یہ علاقہ ملا تو اُن کے دل ذرا افسردہ ہوئے لیکن کرشن جی نے اُن کو سمجھایا اور فرمایا ”مرد اور بہادر وہی ہوتے ہیں جو دشواریوں اور مشکلات کو فتح کریں۔

آسائش پسند اور آرام طلب آدمیوں کا جینا دلیروں کے سامنے موت سے بدتر ہے
تم اس علاقہ کو لے لو اور اسکو صاف کر کے آباد کرو۔ جب تمہاری ناموری ہوگی
اور تم حکومت کرنے کے قابل سمجھے جاؤ گے"
ارجن نے عرض کیا تو آپ کو ہمارے ساتھ اُس وقت تک رہنا ہوگا کہ ہم کھانڈو
پرست" کی جنگلی قوموں کو زیر کریں۔ اور ملک سرسبز و شاداب ہو جائے۔ سری کرشن نے
اسکو منظور کیا اور پانڈوناوؤں کو کھانڈو پرست" کی آبادکاری میں مدد دینے لگے
تھوڑی ہی مدت میں کھانڈو پرست" کی کایا پلٹ ہوگئی اور وہ مقبوضہ علاقہ
علاقہ سے کئی حصہ زیادہ زرخیز اور بارونق نظر آنے لگا۔ اُسوقت پانڈوناوؤں نے
ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام اندرپرست رکھا۔

اندرپرست

یہ شہر ہمایوں کے مقبرے اور شاہجہاں کی آباد کردہ موجودہ شہر دہلی کے وسط
میں آباد تھا۔ اور اب اُس کے آثار میں سوائے ایک قلعہ کے اور کچھ بھی موجود نہیں ہے
یہ قلعہ "پرانے قلعہ" کے نام سے مشہور ہے۔ جب ہمایوں نے اس جگہ شہر دہلی کی بنیاد ڈالی
تو ہندوؤں کے اس پرانے اور شکستہ قلعہ کو بھی بنوایا۔ اُس وقت یہ بالکل مسمار ہو چکا تھا
صرف بنیادیں نظر آتی تھیں۔ اُن ہی بنیادوں پر قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ لیکن قلعہ
پورا ہونے نہ پایا تھا کہ شیر شاہ افغان کی یورش ہوئی اور ہمایوں اُس کے آگے سے
شکست کھا کر ایران چلا گیا۔ اور ہندوستان پر شیر شاہ کا تسلط ہو گیا۔ شیر شاہ نے بھی
پایۂ تخت دہلی کو قرار دیا۔ اور اندرپرست کے قلعہ کو پورا کر کے اُس کا نام "دین پناہ"
رکھا۔ قلعہ کے اندر ایک مسجد بنوائی جو اب تک موجود ہے۔ اور ایک اور مکان بنوایا جس کا
نام "شیر منزل" رکھا اور آجکل اُسکو "شیر منڈل" کہتے ہیں۔

ہمایوں جب ایران سے واپس آیا اور ہندوستان پر اُس کا دوبارہ تسلط ہوا
تو اسی "اندرپرست" قلعہ میں رہتا تھا۔ اور اسی قلعہ کی عمارت "شیر منزل" کی چھت پر سے گر کر
مرگیا اور "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" تاریخ ہوئی۔ ہمایوں کے زمانہ میں علاوہ اس قلعہ
کے پرانے "اندرپرست" کی بنیادوں پر اور صدہا بڑی بڑی عمارتیں بنوائی گئی تھیں۔
جو اب سب مٹ گئیں اور صرف اکبر کی انا ماہم انگا کی مسجد مدرسہ اور "لال چوک" کا
دروازہ اور جوہری بازار و موتی بازار کی چند دوکانیں اور چند امرا کی ٹوٹی پھوٹی حویلیاں
باقی ہیں۔ باقی سب کچھ فنا ہوگیا۔ ان کھنڈروں کے نشان قلعہ اندرپرست کی فصیل کے نیچے
کھنڈروں کی صورت میں کہیں کہیں نظر آتے ہیں جن کے سبب اونچے نیچے ٹیلوں کا
سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ اور آجکل کہ ۱۹۱۷ء ہے انگریزی سرکار کی طرف سے
یہ زمین ہموار کی جا رہی ہے۔ اور پرانی بنیادیں کھُد کھُد کر غاروں اور گڑھوں میں بھری
جا رہی ہیں۔ یہ سلوک صرف ناپید اور شکستہ عمارتوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ورنہ جن
عمارتوں کی کچھ بھی حیثیت اور نمود باقی ہے ان کی مرمت اور درستی ہزارہا روپے کے
خرچ سے ہو رہی ہے۔

"اندرپرست" کی بعض عمارتیں تو فصیل قلعہ کے قریب اُس سڑک کے کنارے
واقع ہیں جو دہلی سے متھرا کو گئی ہے۔ اور بعض مغرب کی طرف کئی میل میں پھیلی ہوئی
ہیں۔ جہاں سے جی۔ آئی۔ پی۔ کی ریل بمبئی کو جاتی ہے۔ اس ریلوے سڑک کے اور
آگے بڑھ کر مغرب کے رُخ انگریزوں کے مجوزہ شہر دہلی کی عمارتیں بن رہی ہیں۔
ہموار میدان کے لیے یہاں بھی بہت سی پرانی نشانیاں زیر و زبر ہو گئی ہیں۔ اگرچہ
گورنمنٹ نے با نمود عمارتوں کو بچانے کی ہر جگہ کوشش کی ہے۔

اس طول کلامی کا مقصد یہ ہے کہ ناظرین کو شہر "اندرپرست" کی وسعت معلوم
ہو جائے۔ غالباً یہ شہر ہمایوں کے مقبرہ سے لیکر شاہجہانی شہر دہلی تک تین میل جمنا کے

کنارہ کنارہ پھیلا ہوا تھا۔ اور مغرب میں بھی اسکی وسعت تین چار میل سے کم نہ تھی۔ جہانگیر کے عہد تک یہ شہر آباد تھا۔ کیونکہ شاہجہانی شہر کے دہلی دروازے کے پاس جہانگیری امیر مہابت خاں کی حویلی اور مسجد کے کھنڈرات اب تک موجود نظر آتے ہیں۔

ہندوؤں سے درخواست

چونکہ آجکل انگریزی گورنمنٹ "اندر پرست" کے پرانے قلعہ کی مرمت کر رہی ہے اور اس نے وہاں کی گنوار آبادی کو اٹھا کر دیہاتی مکانات کو صاف کرا دیا ہے اس واسطے ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ سرکار سے اس قلعہ کے اندر اپنی ایک تاریخی لوح لگانے کی درخواست کریں۔ مسلمانوں کی یادگار تو اس قلعہ کی فصیل، مسجد اور "شیر منزل" موجود ہے اور جو ہمیشہ مسلمان نسلوں کو یاد دلاتی رہیگی کہ یہاں ان کے بزرگ حکمراں تھے۔ مگر ہندو نسلوں کے واسطے یہاں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے جس سے اُن کو معلوم رہے کہ یہ وہی اندرپست قلعہ ہے جہاں ان کے شہرہ آفاق بزرگ ارجن۔ بھیم۔ یدھشٹر رہتے تھے۔ یہی وہ پاک خاک ہے۔ جس کے ذروں پر سری کرشن جیسا ہندوستان کا مقتدائے اعظم چلتا پھرتا تھا۔

اب تک سرکاری کاغذات میں اس رقبہ کا نام "اندر پرست" درج ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کی مادی اور علانیہ دلیلیں اس بات کی موجود ہیں کہ یہی جگہ ہندوؤں کی تاریخی افسانہ خواں ہے۔ اگر آج ہندوؤں نے توجہ نہ کی تو اُن کی نسلیں بھول جائینگی بے خبر ہو جائینگی۔ اور سوائے کتابوں کے انھیں معلوم نہ ہوگا کہ اندر پرست کہاں تھا۔ لوح لگ جائے گی تو ہر ہندو فرزند اسکو دیکھے گا۔ اور اپنے بڑوں کے کارناموں کو یاد کرے گا۔ اور اس مقامی زمین کو دل سے مٹنے نہ دیگا۔

ارجن کی دوسری شادی

جب اندرپرست آباد ہوچکا تو سری کرشن اپنے وطن دوارکا کو چلے گئے اور کچھ دن کے بعد ارجن اپنے گرو کی زیارت کرنے دوارکا پہنچا۔ سری کرشن اور اُن کے خاندان والوں نے ارجن کی خوب خاطر داریاں کیں اور مہمان نوازی کا کوئی حق باقی نہ چھوڑا۔

ارجن ابھی دوارکا میں ٹھیرا ہوا تھا کہ دوارکا کے پاس ایک پہاڑی پر کوئی میلا لگا۔ جس میں دوارکا کے سب باشندے جمع ہوئے۔ ارجن اور سری کرشن بھی گئے وہاں سری کرشن کی سگی بہن سوبھدرا میلے کی سیر کرتی ہوئی ارجن کو نظر آگئی۔ سوبھدرا نہایت حسین اور مہ جبین لڑکی تھی۔ ظاہر ہے جس کا بھائی کرشن ہو وہ کیسی قبول صورت عورت ہوگی۔ ارجن سوبھدرا کو دیکھتے ہی دل وجان سے فدا ہوگیا اور اُسکے چہرے پر بیتابانہ از خود رفتگی کے آثار دیکھکر سری کرشن جی سمجھ گئے کہ اسکا جی سوبھدرا پر آیا ہے۔ اُنہوں نے خود ہی مسکراکر فرمایا۔ کہ جو سپاہی دن رات جنگلوں میں پھرنے اور میدانوں میں تلوار چلانے کو پیدا ہوا ہو اُسکو عشق سے کیا سروکار؟

ارجن کو معلوم نہ تھا کہ یہ لڑکی کرشن جی کی بہن ہے اس واسطے اس نے بے تکلفی سے کہدیا کہ میں اُس لڑکی پر مبتلا ہوگیا ہوں جو ابھی سامنے سے گذری تھی۔ سری کرشن پھر مسکرائے اور فرمایا کہ "وہ میری بہن ہے" ارجن یہ سُنکر جھینپ گیا۔ اور گردن جھکالی۔ تو سری کرشن نے فرمایا کہ "اے ارجن مجھے تو کچھ بھی عذر اس میں نہیں ہے کہ اپنی بہن کے ساتھ تیری شادی کردوں۔ کیونکہ تو بڑا بہادر اور ہر اعتبار سے لائق نوجوان ہے۔ اور رشتہ کرنے میں جن خوبیوں کو

اے کرشن ہمارے جسم میں جادو نسل کا خون ہے وہ گرما رہا ہے۔ اور انتقام انتقام کی آواز دے رہا ہے۔ تم بھی بولو۔ تم بھی بڑ ہو۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہم اندرپرست کی زمین کو اکھاڑ کر سمندر میں پھینک دینگے۔ اور دنیا کو دکھا دینگے کہ جادو قوم ناموس کی خاطر کیا کیا کچھ کر سکتی ہے۔"

بھائی کو بُری طرح بپھرا ہوا دیکھکر سری کرشن پھر مُسکرائے اور بولے "اے بھائی اور اے بھائیو! ارجن نے ہماری بے عزتی نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ ہمارے خاندان میں عوض لیکر لڑکی دینا بڑے عیب کی بات ہے۔ اس واسطے وہ اپنی دولت اور حکومت کے عوض تم سے لڑکی نہیں مانگ سکتا تھا۔ نہ اسکی بہادری اور عزت و شان اسکو گوارا کر سکتی تھی کہ ایک لڑکی کے لیئے بلا معاوضہ تمہارے آگے ہاتھ پھیلاتا۔ اور کنیا دان نا ممکن اِس لیئے اُس نے تم چھتریوں کی مروّجہ چال چلی۔ وہ تمہاری لڑکی کو چھپا کر لے گیا بے شک سوبھدرا تمہاری آبرو والی اور نامور لڑکی ہے۔ مگر ارجن بھی گم نام اور کوئی کم ذات نوجوان نہیں ہے۔ وہ ایک شاہی نسل کا لائق فرزند ہے۔ وہ ایک ایسا بہادر آدمی ہے جس کا ثانی آج ساری زمین پر مجھکو کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ تم کو معلوم ہے کہ تمہاری لڑکی کی عصمت شادی تک محفوظ رہیگی۔ اور اُسمیں خیانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ شریف شہزادے جنہوں نے لڑکیوں کو اس طریق سے بھگایا ہے۔ شادی کی رسم ادا ہوئے بغیر کبھی کسی عورت کی آبرو ریزی نہیں کیا کرتے۔ ارجن نے بھی ہرگز ایسا نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی ایک شریف راج کنور ہے۔ اور راکشس رسم کے بعد دھرم کی رو سے اسکو ہر طرح کا اختیار ہے۔ اور اسمیں کوئی پھر بے عزتی کی بات باقی نہیں رہتی۔

پس میری رائے یہ ہے کہ فتنہ فساد کا ارادہ چھوڑ دو۔ ارجن سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ تم اسپر ہرگز فتح نہیں پا سکتے۔ جاؤ اور خوشی خوشی اُسکو واپس بلا لاؤ اور

بھی پوری ہو گئی تو یدھشٹر نے سری کرشن سے عرض کیا "اے مہاراج میرا ارادہ
"راج سوئیگ" کرنے اور شہنشاہی لقب اختیار کرنے کا ہے۔ آپ کی اسمیں کیا
رائے ہے؟" سری کرشن نے فرمایا "بے شک خدا نے تجکو ملک و دولت۔ طاقت۔
نوبیں۔ اطاعت گذار بھائی۔ اور سب کچھ وہ سامان دیا ہے جو ایک شہنشاہ کے پاس
ہونا چاہیئے۔ اب ہندوستان میں کوئی راجہ تیری ہمسری کے قابل نظر نہیں آتا۔
مگر ابھی ایک کانٹا موجود ہے۔ جب تک وہ نہ نکلے تیری شہنشاہی تمام ہندوستان میں
تسلیم نہ ہو سکیگی۔ اور وہ جراسندھ راجہ ہے۔ جس نے (۸۶) بڑے بڑے خاندانی
راجاؤں کو فتح کر کے غلام بنا رکھا ہے۔ اور جس کی فوجی طاقت کا یہ عالم ہے کہ
میں بھی اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور گھر چھوڑ کر جلاوطن ہو گیا۔ پہلے جراسندھ
کو نیچا دکھا۔ مخلوق خدا کو اسکی ظلمی قید سے نجات دلا۔ پھر تجکو شہنشاہی کا لقب
زیب دیگا۔

یدھشٹر یہ سنکر چپ ہو گیا۔ اور اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اور اسنے
کہا کہ "اے کرشن جب تم جیسا ظاہری اور باطنی قوت رکھنے والا آدمی جراسندھ کی تلوار
کے سامنے نہ ٹھیر سکا تو پھر میری کیا ہستی ہے جو میں اس سے مقابلہ کروں؟"

اسپر یدھشٹر کے چاروں بھائی جوش میں آگئے اور انہوں نے نہایت مردانہ
تقریریں کیں اور جراسندہ سے لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ تو یدھشٹر نے کہا "اپنی
ناموری اور شہنشاہی کے لقب کی خاطر میں ایک آباد سلطنت کو کیوں تباہ کروں۔
میرا دل اس فعل کو گناہ اور پاپ سمجھتا ہے؟" سری کرشن نے فرمایا "ہم تیری عزت
اور شہنشاہی قایم کرنے کی غرض سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد تو اس ظالم کی
ان ستمگاریوں کا انتقام لینا ہے جنکی ہندوستان کے ہر گھر میں دھوم ہے۔ اور
جنہوں نے ہزاروں کلیجوں میں ناسور ڈالدیئے ہیں۔ میں جراسندہ سے فوجی

لڑائی نہیں لڑوں گا۔ جس میں بے گناہ سپاہیوں کی خونریزی ہو۔ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ میں ارجن اور بھیم تین آدمی جراسندھ کے پاس جائیں اور تنہا اُس سے مقابلہ کریں۔

یدھشٹر نے کہا: "تم تین آدمی اتنے بڑے خونی راجہ کا مقابلہ کیونکر کرسکو گے جس کے پاس بے شمار فوجیں ہیں؟" سری کرشن بولے "تمھیں اس سے کچھ سروکار نہیں اسکو میں خود سمجھ لوں گا۔ میرے ساتھ فقط ارجن اور بھیم کو بھیج دو۔" یدھشٹر نے کہا: "مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ شوق سے یہ دونوں آپ کے ساتھ جائیں۔"

سری کرشن نے جب یدھشٹر کی اجازت حاصل کرلی تو ارجن اور بھیم کو تارک الدنیا برہمنوں کا سا لباس پہنایا اور خود بھی ویسے ہی کپڑے پہن لئے اور اندرپرست سے روانہ ہوکر جراسندھ کے پایۂ تخت میں پہنچ گئے۔ شہر کے دروازے کے قریب جاکر سری کرشن نے فرمایا "ہم اس دروازے میں سے داخل نہیں ہوں گے۔ ورنہ ہم پر امن کی ذمہ داری عاید ہوجائے گی۔ اور ہم گویا جراسندھ کے زیر سایہ بن جائیں گے۔ اس واسطے شہر کے اندر حریف اور غنیم کی طرح جانا چاہیئے۔ کہ بہادر لوگ کبھی قاعدہ انصاف سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا کرتے" ارجن اور بھیم نے سری کرشن کی رائے پسند کی اور اُنہوں نے شہر کی فصیل کا ایک چکر لگایا۔ ایک مقام پر ان کو ایک اونچی پہاڑی سی نظر آئی جو فصیل سے لگی ہوئی تھی یہ اُس پہاڑی پر چڑھے اور وہاں سے فصیل پر اُترے اور پھر شہر کے اندر کود گئے۔ لباس ان کا برہمنوں کا تھا۔ مگر چھتریوں کی شکل پھولوں کے کنٹھے گلے میں ڈال رکھے تھے اور جسم پر عطر ملا ہوا تھا۔ یہ سیدھے جراسندھ کے گھر پہونچے اور دربانوں سے کہا "ہم راجہ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

چونکہ اُس وقت کے سب راجہ فقیر اور برہمن کی عزت اور مہمان نوازی اپنا فرض

سمجھتے تھے اس لئے جراسندھ برہمنوں کی آمد سنتے ہی دوڑا ہوا گھر کے دروازے کے باہر آگیا۔ اور ان عجیب برہمنوں کو دیکھکر پہلے تو ذرا حیران ہوا۔ کہ ان کا لباس تو برہمنوں کا ہے۔ مگر بھولوں کے گنٹھے چھتریوں جیسے ہیں۔ مگر اُسنے اپنی حیرت ظاہر نہ کی اور برہمنوں کے قدموں کی پوجا کرنے کے لئے جھکنا چاہا۔ لیکن شری کرشن جی بولے ہم تیری پوجا کو قبول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم تیرے دشمن ہیں۔ اور دشمنی کے ارادے سے آئے ہیں۔ اور اسی واسطے ہم اس شہر میں دروازے میں داخل ہو کر نہیں آئے بلکہ دشمنوں کے مانند فصیل کو د کر یہاں پہونچے ہیں"

جراسندھ نے جب یہ تقریر سُنی تو بولا "میں نے تو تم کو کبھی تکلیف نہیں پہنچائی پھر تمہاری دشمنی کا کیا سبب ہے۔ میں تو رات دن ایمان اور انصاف کے کام کرتا رہتا ہوں"

شری کرشن نے جواب دیا کہ "کیا یہی تیرا انصاف ہے کہ تو نے بہت سے راجاؤں کو بلا سبب مغلوب کرکے قید کر رکھا ہے؟ اور شریفوں سے وہ کام لیتا ہے جو جانوروں سے بھی نہیں لئے جاتے۔ تیری ظلم کاریوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور اسپر تو اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے۔ ہم ایمان اور انصاف ہی کی خاطر تجھ سے لڑنے آئے ہیں اور ایمان ہی کے لئے لڑتے رہنا ہماری زندگی کا فرض ہے۔ ہمیں خدا نے طاقت دی ہے کہ اپنے بازو کے بل پر اور اپنے ہتیاروں کے ہنر سے دین و انصاف کی حفاظت کریں اور تجھ جیسے رخنہ اندازان معدلت کو سزا دیں۔ اے جراسندھ تجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم تینوں برہمن نہیں ہیں بلکہ کشتری (راجپوت) ہیں میرا نام کرشن ہے اور یہ دونوں میرے ساتھی پانڈو کے لڑکے ہیں۔ ایک کا نام ارجن ہے اور دوسرے کا نام بھیم ہے۔

یا تو تو ان تمام مظلوموں کو رہائی دیدے جو تیری قید میں دوزخ کی تکلیفیں

فتح اُن لوگوں نے قبول کرلی جن میں اتنی طاقت تھی کہ ان تینوں کو کچل کر رکھ دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور جراسندھ کے معاہدے پر ثابت قدم رہے۔
جراسندھ مارا گیا تو سری کرشن نے بھیم اور ارجن کو رتھ میں سوار کیا۔ اور خود رتھ بان بنے۔ اور رتھ لیکر فاتحانہ قلعہ میں داخل ہوئے سب سے پہلے اُن سب راجہ مہاراجوں کو رہا کیا جو ظلم کی قید بھگت رہے تھے۔ اور اُسکے بعد ایک جگہ اقامت اختیار کی۔ رہا شدہ قیدیوں نے نذریں دکھائیں اور احسان مندی کا اظہار کیا۔ تو سری کرشن نے فرمایا کہ "راجہ یدھشٹر راج سویگ" کرنا چاہتے ہیں۔ تمکو لازم ہے کہ اسمیں شریک ہو۔ اور بخوشی یدھشٹر کے لقب شہنشاہی کے آگے سر جھکاؤ سب نے اسکو قبول کیا اور "راج سویگ" میں حاضر ہونا منظور کیا۔ راجہ جراسندھ کا بیٹا سہدیو بھی نذر لیکر سری کرشن کے سامنے آیا۔ تو سری کرشن کھڑے ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے اُسکے ماتھے پر ٹیکا لگا کر باپ کے تخت پر بٹھایا اور ملک کا تاج اُسکے سپرد کرکے خود اندر پرست کو روانہ ہو گئے ۔

پانچویں بیتی

تلاطم نور

روشنی کا بھونچال

آخر وہ وقت آگیا جس میں سری کرشن کے انوار باطن کو اپنے جلوے دکھانے منظور تھے۔ اور جس کے لیئے خدا نے ان کو ہندوستان میں مقرر فرمایا تھا۔
اُس وقت ہندوستان کے تمام حکمران راجہ اور کل محکوم عوام طرح طرح کے

کے اُس تقریر کے کرنے کا موقع آیا تھا جس کے مجموعہ کا نام گیتا ہے" اور آج ہندوستان کی وہ مشہور فلسفیانہ کتاب ہے جس کے سامنے یوروپ اور امریکہ نے بھی با وجود فروغ علوم جہانداری کے سر جھکا دیا ہے۔

اسی بیتی میں سری کرشن کے انجام زندگی کا بیان ہے۔ اور ذکر وفات ہے اور اسی بیتی پر اس کتاب کا یہ پہلا حصہ ختم ہو جائے گا اور دوسرے حصہ کی اللہ تعالےٰ سے خواستگاری ہوگی کہ وہ مجھے ہمت اور توفیق دے کہ میں "گیتا" کا خلاصہ اور اُس پر تنقید کر سکوں اور سری کرشن کی زندگی سے وہ نتائج نکال کر دکھاؤں جو ہندوستان والوں کو خصوصاً مسلمانوں کو مفید ہوں۔ اور جس سے ان کی شاہراہ عمل میں ایک کشادہ رستہ کا اضافہ ہو جائے۔ اور ہندوستانی اقوام آپس میں محبت سے بسر اوقات کرنا سیکھیں۔ جو سلف گورنمنٹ حاصل ہونے کی ایک ضروری شرط ہے۔

جھگڑے کا دروازہ

راج سویگ کا انعقاد

سری کرشن ارجن اور بھیم جراسندھ کو قتل کر کے اندرپرست واپس آئے تو تاجدار یدہشتر اور تمام اراکین دربار کو اس فتحیابی سے خوشی ہوئی اور فاتحین کا بہت دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔ جب فتح کی خوشیاں ہو چکیں تو سری کرشن نے فرمایا "اے یدہشتر اب "راج سویگ" کا وقت آگیا۔ تو تمام ہندوستان کے راجاؤں کو بلاوے بھیج اور اس عظیم الشان جلسہ کی تیاریاں شروع کر دے" یدہشتر نے حسب حکم سری کرشن "راج سویگ" کا سامان کرنا شروع کیا اور جس شان کا یہ جلسہ ہونیوالا تھا اُسی اہتمام سے نہایت کثیر اور قیمتی اشیاء مہیا کی گئیں جو نمود و نمایش اور مہمانوں کی

خاطر داری کے واسطے لازمی اور ضروری تھیں۔ ملک ملک کے راجاؤں کو ایلچی بھیجے گئے اور "اندر پرستھ" کی آرائش ہونے لگی۔

مقررہ وقت پر یدہشٹر کے چچا دھرت راشٹر بھیشم۔ درون اور تمام بھائی بند و دریودھن کرن وغیرہ آ گئے۔ باہر کے مہمانوں میں ہندوستان کا کوئی راجہ باقی نہ رہا دراوڑ اور سنگھالے کے راجہ کشمیر کے راجہ۔ بنگالے کے راجہ۔ مالوے اور سندھ کے راجہ سب ہی اس جلسہ کی شرکت کے لیے جمع ہوئے۔ اور کوئی ممتاز و ذی حیثیت حکمران ہندوستان کا باقی نہ رہا۔ جو یدہشٹر کے "راج سوئیگ" میں شریک نہ ہوا ہو۔

جس وقت تمام دربار آراستہ ہو چکا دینی سردار اور دنیاوی سردار اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تو بھیشم پتامانے یہ تقریر کی۔

"اے یدہشٹر سب سامان مکمل ہو چکا اب "یگ" کی رسمیں شروع کرنی چاہئیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو اُس شخص کے سامنے "ارگھ" پیش کر جو اس تمام جلسہ میں سب سے زیادہ عزت کا مستحق ہو۔ ارگھ چند اشیاء کے مجموعہ کا نام تھا جن میں برادہ صندل پھول اور سبزی وغیرہ چیزیں ہوتی تھیں جس کو بطور نذر کے پیش کیا جاتا تھا۔ اُس کے بعد "ہون" کرنے والے پنڈتوں کے سامنے۔ پھر سمدھیوں کے آگے پھر تارک الدنیا برہمنوں کے آگے۔ اُسکے بعد دوستوں کے سامنے اور راجاؤں کے سامنے"

یدہشٹر نے پوچھا کہ اے دادا تمہیں بتاؤ کہ اس جلسہ میں کون ایسا شخص ہے جس کو تمام دربار کے حاضرین پر فوقیت دی جائے۔ اور "ارگھ" پہلے میں اُسکے سامنے پیش کروں"؟

بھیشم پتامانے کہا سری کرشن کے سوا کوئی شخص سب سے بڑے درجہ والا یہاں موجود نہیں ہے۔ تو ان ہی کے آگے پہلے "ارگھ" پیش کر" یہ فیصلہ سُنکر

سری کرشن کے آگے "ارگھ" کی نذر پیش کی۔ نذر پیش ہوتے ہی پہر ششو پال نے بھیشم اور سری کرشن کو بے نقط گالیاں دینی شروع کیں جس سے بھیشم اور سری کرشن کے حامیتیوں کو بہت غصہ آیا اور دربار میں تقریر بازی شروع ہو گئی۔ ایک طرف سری کرشن کے فدائی ان کے اوصاف بیان کرتے تھے اور دوسری طرف ششو پال اُن کی مذمت کرتا تھا۔ ششو پال نے بیشمار عیب سری کرشن کے نمک مرچ لگا لگا کر مجمع کے سامنے گنوائے مگر ان کی بدچلنی کی بابت ایک لفظ بھی اُسنے نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر سری کرشن ابتدا میں گوپیوں کے ساتھ حرام کاری کرتے ہوتے تو آج ششو پال ان کے اظہار سے ہرگز نہ چوکتا۔ کیونکہ اسکو یہ سب سے بڑا جرم والزام ہاتھ آجاتا۔ جس کا جواب سری کرشن اور اُن کے حامیتیوں کے پاس کچھ نہ ہوتا۔

جب ششو پال کی گستاخی حد سے بڑہی تو ارجن تلوار کھینچکر کھڑا ہوا اور اُسنے کہا۔ "اگر اب کسی شخص نے سری کرشن کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی کا زبان سے کہا تو میں اُس کا سر کچل ڈالوں گا۔"

سری کرشن نے ارجن کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ اور کہا تم خاموش رہو۔ جس وقت سے یہ جھگڑا شروع ہوا تھا سری کرشن چپکے بیٹھے مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے کسی بات میں دخل دیا نہ کچھ بولے۔ لیکن جب ارجن کھڑا ہونے لگا اور ششو پال نے کہا کہ "خود کرشن کیوں نہیں کھڑا ہوتا۔ اگر وہ بہادر ہے اور جیسے کہ اُسکے خوشامدی اُسکی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں واقعی وہ دلیر اور جری ہے تو ذرا سامنے آئے اور دو ہاتھ دکھائے۔ میں بھی تو دیکھوں اُسکو جنگ کے کیا کیا ہنر یاد ہیں۔ یا تم نے یوں ہی خواہ مخواہ اُسکو آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔"

سری کرشن نے یہ جملہ سُنا تو پھرتی سے کھڑے ہو گئے تلوار میان سے کھینچ لی

اور فرمایا "بس بس ہو چکا تمہارا آپے سے باہر ہونا دیکھ لیا۔ اب تم تلوار کا فیصلہ چاہتے ہو
تو لو میں موجود ہوں۔ دل کا ارمان نکالو۔ اور اپنی کرنی میں کوئی کسر نہ رکھو۔ خود معلوم
ہو جائیگا کہ تم نے جو کچھ اب تک کہا ہے وہ حق ہے یا ناحق" ششوپال بھی آمادہ ہو کر آگے
بڑھا۔ اور وہیں دربار میں شمشیر زنی کا دنگل آراستہ ہو گیا۔ ہر فریق کے ساتھی صفیں
باندھکر آس پاس تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو گئے۔ پہلا وار ششوپال نے کیا۔ اور
سری کرشن نے نہایت بے پرواہی سے ڈھال پر اسکو روکا۔ اُن کے چہرے پر مطلق
گھبراہٹ نہ تھی اور وہ اپنے خونخوار حریف کے سامنے ایسے ٹھہرے مسکرا رہے تھے
گویا کچھ بات ہی نہیں ہے۔ ششوپال جب کئی وار کر چکا تو سری کرشن نے فرمایا "اب
ہوشیار ہو جا۔ وقت آن پہنچا۔ بچاؤ کی تدبیر کر کہ میری تلوار بلند ہوتی ہے" ششوپال نے
نہایت جوانمردی سے حریف کے حملہ کی روک تھام کرنی چاہی مگر سری کرشن کے پہلے
ہی طمانچہ تیغ نے اُسکو دو ٹکڑے کر دیا۔ اور جو مورت ایک ساعت پہلے دربار میں کھڑی
گونج رہی تھی اور فحش گالیاں بک رہی تھی دو پارہ ہو کر فرش خاک پر لوٹنے لگی۔ اور
پھڑک پھڑک کر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔ اُس وقت تمام دربار ایک منہ ہو کر پکار
اٹھا "بولو سری کرشن چندر جی کی جے" "بولو سری کرشن چندر جی کی جے"

جب اس معرکہ کا فیصلہ ہو چکا تو راجہ یدھشٹر سری کرشن اور تمام درباریوں نے ملکر
بہت عزت و احترام سے ششوپال کی لاش اُٹھائی اور اُسکو لیجا کر جلا دیا۔ اور پھر اس کے
بیٹے کو راج تلک لگا کر جانشین بنا دیا۔ اور اس طرح "راج سوئیگ" کا اختتام نہایت
خیر و خوبی سے ہوا۔ مگر جھگڑے کا در کھل گیا۔ ایک طرف تو ششوپال کی طرف دار دل میں
بل بھرتے ہوئے گئے اور دوسری جانب دریودھن اپنے چچا زاد بھائی کی اتنی بڑی عزت دیکھکر
حسد کے مارے کوئلوں پر لوٹتا رہا اور دل میں سوچتا کہ کسی طرح پسران پانڈو کی عزت
کو خاک میں ملانا چاہیئے۔

کچھ نہ کر سکتے تھے۔ دروپدی نے فریاد میں کہا۔ وہ چیخی۔ اپنے حمایتوں کو پکارا اور کہتی ہی
کہ مجمع عام میں میری چادر کھینچی جاتی ہے۔ کوئی میری مدد نہیں کرتا۔ مگر اُسکے فریاد کرنے سے
نہ دریودھن کو رحم آیا نہ اور کسیکو۔ بدھشٹر وغیرہ چاہتے تو سب کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن ہارچکے
تھے۔ بات دوسرے کو دے چکے تھے ان کی راجپوتی آن بان یہ گوارا نہ کرتی تھی کہ ہارنے
کے بعد پھر اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں۔ اور دروپدی کو اپنا سمجھکر اُسکو ظالم دریودھن سے بچائیں۔
آخر دریودھن کے باپ دھرت راشٹر نے یہ فیصلہ کیا کہ پسران پانڈو اس جانبار
[illegible] کے عوض میں (۱۲) برس جلاوطن رہیں۔ اور تیرہویں سال ایسا [illegible] کریں
کہ دریودھن اور اُس کے ملازم ان پانچوں کو پہچان نہ سکیں۔ اگر وہ ایسا کر سکے
تو (۱۳) سال کے بعد ان سب کا ملک و دولت واپس دیدیا جائیگا [illegible]
بھیم۔ نکل۔ سہدیو۔ دروپدی اس فیصلہ کے بموجب جلاوطن ہوگئے۔ [illegible]
پھرنے لگے۔ اس آوارہ گردی کے زمانہ میں پسران پانڈو [illegible] سب دوست آشنا [illegible]
اُن سے ملتے تھے۔ اور اُن کی مصیبت پر کڑھتے تھے۔ سری کرشن بھی دوارکا سے آئے
اور ایک جنگل میں اُن سے ملاقات کی۔ [illegible] سری
کرشن کو دیکھا تو وہ بہت روئی اور سارا قصہ بیان کرکے بولی۔ کہ مجکو دریودھن نے دربار
میں چادر کھینچکر ذلیل کیا گیا۔ اور کسی نے میری مدد نہ کی "سری کرشن نے فرمایا۔ تو گھبرا مت
میں اس زیادتی کا پورا بدلہ لونگا۔ اور تیرا راج پاٹ واپس دلاؤنگا۔ اے دروپدی
آسمان پھٹ سکتا ہے۔ زمین ٹکڑے ہو سکتی ہے۔ ہمالیہ پہاڑ کا پاش پاش ہوجانا ممکن ہے
سمندر سوکھ جائے تو تعجب نہیں۔ مگر میرا قول جھوٹا نہیں ہوگا۔ میں اقرار کرکے پیچھے
نہیں ہٹونگا۔ اور اپنا وعدہ پورا کرکے رہونگا "
سری کرشن کے ہمراہ ان کے بھائی بلرام بھی تھے اُنہوں نے کہا کہ یہ شہزادے
ارجن وغیرہ تو اپنے عہد کے سبب جب تک جلاوطنی کی مدت پوری نہ ہو کچھ نہیں

کرینگے. لیکن ہمیں چاہیئے کہ دریودہن پر حملہ آور ہوں۔ اور پسران پانڈو کا ملک اُس سے
چھین کر ارجن کے بیٹے ابھے مینو کو دیدیں۔ (ابھے مینو سری کرشن کی بہن سوبھدرا
کے پیٹ سے تھا)

سری کرشن نے جواب دیا" یہ ٹھیک ہے ہم ایسا کرسکتے ہیں. مگر یہ بات انصاف
اور قاعدہ کے خلاف ہوگی۔ یدہشتر کبھی گوارا نہیں کرے گا کہ دین وانصاف برباد کرکے
دنیا کی تاجداری حاصل کرے"

یدہشتر بولا ہاں مہاراج سچ فرماتے ہیں۔ میں دین اور انصاف کے سامنے
حکومت کی کچھ اصل نہیں سمجھتا۔

یدہشتر کا عہد پورا ہوا

تیرہ برس گذر گئے یدہشتر اور ان کے بھائیوں نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ ۱۲ برس
جلاوطنی میں کاٹے اور ایک سال نوکری میں۔ نوکری بھی ایسی کی کہ کسی شخص نے ان کو
نہ پہچانا کہ یہ راجہ پانڈو کے شہزادے ہیں۔

دھرت راشٹر اور دریودہن کو اسکی خبر پہونچی کہ پسران پانڈو نے اپنا عہد پورا
کر لیا۔ تو دریودہن نے یہ بہانا نکالا کہ تیرہویں سال ملازمت کی حالت میں میں نے
ان کو پہچان لیا۔ اس واسطے ان کا عہد پورا نہیں ہوا۔ پہچاننے کا کوئی ثبوت کوئی
دلیل تو نہ دے سکا۔ یونہی خواہ مخواہ ایک بات بنادی۔ اور پسران پانڈو نے سمجھا کہ
دریودہن دراصل ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ سب اس کے مکارانہ بہانے
ہیں۔ اس واسطے وہ اپنے خسر راجہ دروپد کے پاس گئے اور اُن سے سارا حال بیان کیا
راجہ دروپد نے سری کرشن بلرام اور اپنے تمام دوست راجاؤں کو جمع کرکے مشورہ
کی ایک کونسل مقرر کی۔ جس میں سری کرشن نے سب سے پہلے یہ تقریر کی کہ دہرت راشٹر

بھائی بلرام نے کسی فریق کا ساتھ دینا منظور نہ کیا۔ غرض سری کرشن کی فوج دریودھن کے ساتھ گئی۔ اور سری کرشن ارجن کے ہمراہ راجہ دروپد کے ہاں چلے گئے۔

دریودھن کا سفیر

دریودھن بڑا ہوشیار و چالاک تھا۔ اس نے دیکھا یدھشٹر نرم دل اور نیک مزاج آدمی ہے۔ خدا اور آخرت کے خوف سے جلد ہی متاثر ہو جاتا ہے اُسکے پاس ایک سفیر کو بھیجنا چاہیئے جو لڑائی اور فتنہ فساد کی بُرائیاں بیان کر کے اُسکے دل کو لڑنے سے بیزار کر دے۔ یدھشٹر کا دل جنگ سے ہٹ گیا تو دشمن کی تیاریوں میں رخنہ پڑ جائیگا اور میں آسانی سے اُسکو شکست دے سکوں گا۔

اسکے علاوہ دیکھنے والے اور سننے والے مجکو حق پر تصور کرنے لگیں گے۔ اور کہیں گے دریودھن کی نیک دلی میں کچھ شبہ نہیں۔ اسنے تو بہت چاہا کہ بھائیوں اور رشتہ داروں میں خانہ جنگی کی تلوار تباہی نہ ڈالے۔ چنانچہ صلح کی سفارت تک اسنے بھیجی مگر جب پسران پانڈو نہ مانے تو دریودھن مجبور ہو گیا اور لاچار ہو کر اُسنے تلوار میان سے کھینچی۔

دریودھن نے سفارت کا منصوبہ سوچا تو ایسے شخص کو سفیر بنایا جو ترک دنیا کا وعظ خوب کہہ سکتا تھا۔ لیکن سیاسی اُتار چڑھاؤ اور بنائے فساد کی باریکیاں سلجھانے کا اُسکو کچھ سلیقہ نہ تھا۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ دریودھن کی نیت مکارانہ تھی۔ اور وہ اس بہانہ سے حریف کے جنگی ارادوں کو کمزور اور ڈھیلا کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ نہ جانتا تھا کہ غنیم کا مشیر کار بھی ہندوستان کا سب سے بڑا مدبر ہے۔ اور اسکے سامنے کوئی جنگی فریب چل نہیں سکتا۔

دریودھن کے سفیر کا نام سنجے تھا۔ جب سنجے راجہ دروپد کے دربار میں آیا تو اسکی

خوب خاطر ومدارات کی گئی اور پیغام سفارت سننے کو ایک جلسہ منعقد ہوا۔
سنجے نے اپنے ترکش کے تیر زبان سے نکالے۔ یعنے ترک دنیا اور عالم کی فنائیت کا لکچر دینا شروع کیا۔ جس کے سوا اُسے کچھ نہ آتا تھا۔ اور ایسی والسنت میں اُسنے ایسی تقریر کی کہ پتھر کا دل بھی موم ہوجائے۔ خواہ کیسا ہی حریص دنیا ہو سنجے کا بیان اس قدر موثر تھا کہ اُسکو سُنکر دل دنیا کی خواہش سے ہٹ جانا یقینی تھا۔
سنجے نے یاد دلایا کہ " دریودہن تمہارا بھائی ہے۔ اسکے لشکری افسر بھیشم پتامہ درون۔ تمہارے بزرگ۔ اور اُستاد ہیں۔ اسکی فوج میں سب تمہارے بھائی بند نظر آتے ہیں۔ حکومت دنیا کی خاطر۔ چند روزہ عزت وجاہ کی طمع میں اُن کے خلاف ہتیار نہ اُٹھاؤ۔ یہ دُنیا آنی جانی ہے۔ ہمیشہ کوئی اس جہان میں نہیں رہا۔ چار دن کے جینے کی خاطر بھائیوں کے خون بہانا بڑا گناہ اور پاپ ہے۔ یہ خیال چھوڑ دو اور لڑائی سے باز آؤ"
سنجے کا جادو چل گیا تھا اگر سری کرشن اُس کا اُتار نہ کرتے جلسہ کے حاضرین پر سنجے کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ہر شخص کا ارادہ بدلنے لگا۔ اور دنیا کی حکومت وعزت خواب وخیال اور ہیچ نظر آنے لگی۔ مگر سری کرشن نے کھڑے ہو کر چند جملوں میں سنجے کا تانا بانا توڑ کر رکھدیا۔ اور دربار کے خیال کو آناً فاناً میں کہیں سے کہیں بدلدیا۔
انہوں نے فرمایا " سنجے جی! یہ سچ ہے کہ زندگی اور اُسکی حکومت وعزت کے واسطے بے گناہوں کا خون بہانا۔ خصوصاً اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگنا بُرا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بقا اس جہان میں کسی کو نہیں۔ جس کے لیے وہ ایسے بڑے بڑے گناہ کرے۔ مگر جس شخص کی حمایت میں تم نے یہ تقریر کی ہے وہ خود ہی اس فساد کا بانی ہوا ہے۔ اسی نے دولت اور چار دن کی حکومت کے ہاتھ انصاف اور ایمان فروخت کیا ہے۔ وہی اپنے بھائیوں اور کنبہ والوں سے خونریزی پر آمادہ

سے عداوت ہوتی۔ مگر اسنے اپنی خاندانی روایتوں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ بھول گیا کہ اسکے بڑے ایسے کمینے نہ تھے۔

سنجے مہاراج! آپ بھی تو اُس وقت موجود تھے۔ آپ نے بھی دریودھن کو منع نہ کیا۔ اُس وقت ترک دنیا کا لکچر کہاں چلا گیا تھا۔ جو آج ہمارے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔

ہم بہادر چھتری ہیں۔ اور چھتری لڑائی کو اپنا زیور جانتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ جنگ میں مرنا جنت میں جانا ہے۔ ہم ظالم۔ غاصب۔ اور گنہگار کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے ہیں۔ ہمارا ارادہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ہم خدائی قواعد کی حمایت میں تلوار میان سے نکالتے ہیں۔ بے انصافی کی۔ ظلم و بے غیرتی کی حد ہو چکی ہے۔ اب ہم میدان جنگ میں اس کو نیچا دکھائیں گے۔ اور اپنے بازو کی قوت اور ہتیاروں کی طاقت سے خدا کے اس دشمن اور انصاف کے حریف کو شکست دینگے؟

سری کرشن جی کی اس تقریر سے سنجے چپ ہو گیا۔ اُسکے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور کچھ جواب بن نہ پڑا۔

دربار پر بھی اس لکچر کا بڑا اثر ہوا۔ یا تو سب کے سب سنجے کی باتوں میں آگئے تھے یا ایک دم خیالات بدل گئے۔ اور لڑائی لڑائی کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

سری کرشن سفارت کے روپ میں

سنجے رخصت ہوا تو سری کرشن نے تجویز کی کہ ہمارے ہاں سے بھی بطور اتمام حجت دریودھن کے پاس سفارت جانی چاہیئے۔ اور میں یہ خدمت انجام دونگا۔

دریودھن نے بہت عاجزی سے اس کا سبب پوچھا کہ جب آپ کسی فریق کے طرفدار نہیں ہیں تو میرا کھانا کیوں نہیں کھاتے ؟

سری کرشن نے فرمایا۔ ہاں میں کسی فریق کا ساتھی نہیں ہوں۔ نہ مجھکو تمہارے خاندانی جھگڑے میں کوئی ذاتی تعلق ہے۔ مگر تجھکو گنہگار اور غاصب سمجھتا ہوں تیری بے انصافی کا مجھکو یقین ہے۔ اس واسطے مجکو تیرے ہاں کھانا پینا جائز نہیں۔

دہرت راشٹر نے پیغام سفارت سننے کو دربار آراستہ کیا۔ جہاں دریودھن بھیشم پتامہ۔ درون اچاریہ۔ کرن۔ اور دریودھن کے دوسرے سب بھائی جمع ہوتے۔

تو سری کرشن نے دہرت راشٹر کو مخاطب کرکے ایک دھوں دھار تقریر کی۔ جس میں پسران پانڈو کی بے گناہی اور دریودھن کے مظالم کا ذکر کیا۔ اور فرمایا۔ "پسران پانڈو خواہ مخواہ لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان کا حق ان کو مل جائے تو وہ ہرگز بھائیوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں گے۔ مجھ سے تو انہوں نے یہاں تک کہدیا ہے کہ ہم کو صرف شہر اندرپرست دیدیا جائے۔ ہم اسی پر قناعت کرلیں گے یا اور کوئی ٹکڑا زمین کا مل جائے۔ تاکہ ہم وہاں صبر سے زندگی کے دن پورے کرلیں۔ ہے راجہ اپنے خاندان کی انصاف کاریوں کو بٹہ نہ لگا۔ جو سارے ملک میں چاند سورج کی طرح روشن ہیں۔ اور حریص بیٹے کی خاطر اپنی عاقبت اور دنیا کی عزت برباد نہ کر"

دہرت راشٹر نے جواب دیا۔ مہاراج ! میں کیا کروں دریودھن میرا اور میری بیوی گندھاری یعنے اپنی ماں کا کہنا نہیں مانتا۔ ہم نے تو بہت سمجھایا۔ اب تم بھی اسکو نصیحت کرو دیکھو۔ میں تو بے بس ہوں۔

اسپر سری کرشن دریودھن کی جانب مخاطب ہوئے جو دربار میں اپنی جگہ بیٹھا تھا اور اُسکے سامنے دہرت راشٹر سے زیادہ موثر تقریر کی۔ اور آخر میں فرمایا۔ تو آدھا

ملک اپنے بھائیوں کو دیدے۔ پسران پانڈو تیرے چچازاد بھائی ہیں۔ اصل حقدار بھی
اس ملک کے ہیں۔ کیونکہ ان کا باپ اس ملک کا مالک تھا۔ مگر اسکے باوجود وہ یہاں تک
آمادہ ہیں کہ تیرے باپ دہرت راشٹر کی شہنشاہی قبول کر کے باجگزار راجہ کی طرح
رہیں۔ اور تجکو شہنشاہ کا ولی عہد مانیں۔ تاکہ باپ کے بعد تو اُن کا شہنشاہ
بنایا جائے۔

دیکھ لڑائی سے باز آ۔ یہ بُری چیز ہے۔ تم سب برباد و تباہ ہو جاؤ گے۔ پسران
پانڈو ہرگز زیادتی نہیں کرتے۔ وہ از حد عاجزی سے جھکا رہنا پسند کرتے ہیں۔
اور کوئی وجہ نہیں کہ اب بھی تو صلح قبول نہ کرے۔ اور اُن کو اُن کا تھوڑا سا حق
بھی نہ دے"

سری کرشن کی اس نرم گفتگو کو سُنکر تمام دربار ایک مُنہ بول اُٹھا۔ مہاراج
سچ فرماتے ہیں، دریودہن کو ماننا چاہیے۔

بھیشم پتامہ نے کھڑے ہو کر ایک پر زور تقریر میں بھتیجہ کو سمجھایا اور سری کرشن کو
راہ راست پر بتایا۔ درون اچاریہ نے اور وِدُرجی نے بھی دریودہن کو سرِ دربار
اسی قسم کی نصیحتیں کیں مگر وہ کافر نہ مانا اور بگڑ کر بولا۔

"کیا تماشہ کی بات ہے سب لوگ مجھی کو الزام دیتے ہیں۔ میرے ہی سر پر تمام
گناہوں کا بوجھ رکھتے ہیں۔ سری کرشن تو خیر دشمن کے ایلچی ہیں جو چاہیں کہیں
تعجب اپنے باپ پر ہے کہ وہ بھی مجھکو خطاوار سمجھتے ہیں۔ بزرگ بھیشم پتامہ۔ چچا
ودرجی۔ گرو درون۔ سب نے ایکا کر لیا ہے جو ہے مجھکو مورد الزام کر کے
نصیحت کی زبان کھولتا ہے۔ کیا دُنیا سے انصاف جاتا رہا۔ کیا دنیا میں عقل اور
غور کا مادہ باقی نہیں رہا۔ کیا اتنے بڑے بڑے دانا اور عقلمند اور مشہور منصف
مزاج عالم ناحق شناس ہو گئے۔

پانچال خاندان کو نیچا دکھانے کی اب بھی طاقت موجود ہے۔ اگر میرے بےغیرت بھائی اُس کے ساتھ ہیں تو کچھ پروا نہیں ہے۔ میں سب کو دیکھ لوں گا۔ اور آدھا ملک کیا۔ ایسی صورت میں تو سوئی کے ناکہ کے برابر بھی زمین اُنکو نہ دونگا؟

دریودہن یہ تقریر کرکے دربار سے اُٹھ کھڑا ہوا اور باہر چلا گیا۔ اُسکے ساتھ اُسکے بھائی اور تمام ہم خیال لوگ بھی چلے گئے۔

تو سری کرشن نے فرمایا۔ جب دہرت راشٹر باپ۔ گندھاری ماں بھیشم پتامہ جیسے بزرگ۔ درون جیسے اُستاد گرو اور تمام لوگوں نے دریودہن کو سمجھانے کا حق ادا کر دیا تو اب سوائے اسکے کچھ چارہ نہیں کہ اس نادان کو قید کر لیا جائے تاکہ یہ خانگی فتنہ وفساد بڑھنے نہ پائے۔ وہ کہتا ہے راجہ دروپد خاندانی دشمن ہے۔ مجھے اسپر ہنسی آتی ہے۔ جب اس نے بیٹی دیدی تو دشمنی کہاں رہی۔ دریودہن نے یہ غلط کہا کہ دروپدی لونڈی کے مثل ہے۔ ارجن نے اُسکو امتحان میں جیتا ہے لڑائی میں نہیں جیتا۔ دریودہن کو ایسے الفاظ کہنے مناسب نہیں۔

الغرض سری کرشن دربار سے اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ اور دہرت راشٹر یا کسی اور کو ہمت نہ ہوئی جو دریودہن کو قید کرتا۔ اور اس فتنہ کو دبایا جاتا۔ بلکہ دریودہن نے خود سری کرشن کو گرفتار کرنا چاہا اور اس کے لیے زبردست سازش کی۔ مگر خبر کھل گئی سری کرشن کے ہمراہی ہوشیار ہو گئے۔ اور سری کرشن نہایت آرام اور بےپروائی سے روانہ ہو کر راجہ دروپد کے پاس واپس آ گئے۔ اور دشمن اُنکا ایک بال ٹیڑھا بھی نہ کر سکے۔

اِس سفارت کے زمانہ میں سری کرشن رانی کُنتی سے بھی ملے۔ جو لپسران پانڈو کی والدہ اور سری کرشن کی پھوپی تھیں۔ اور دہرت راشٹر کے پاس رہتی تھیں۔ کنتی رانی نے چودہ برس سے بیٹوں کو نہ دیکھا تھا اور وہ از حد بےقرار تھیں اُنہوں نے

بہت چاہا کہ باہمی خونریزی بھائیوں میں نہ ہو۔ مگر تقدیر کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

لڑائی کا سنکھ بجگیا

تلوار تڑپ کر میان سے باہر نکل آئی۔ فوجیں نقل و حرکت کرنے لگیں ہندوستان کے وہ بادل کونہ کونہ سے اُٹھنے لگے جنکو مہابھارت میں خون کا مینہ برسانا تھا۔ لشکروں کی آندھیاں گرد و غبار اڑاتی ہوئی چاروں طرف سے اٹھیں۔ فوجوں کے بگولے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

سری کرشن نے سفارت کا انجام سنایا تو یدھشٹر سپاہ کو لیکر ہستناپور کی جانب بڑھا۔ راجہ دروپد کا بیٹا دریودہن سپہ سالار بنا جتنے آس پاس کے راجہ تھے۔ یا میل جول کے فرماں روا تھے وہ سب ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ اور ہستناپور پر دھاوا بول دیا۔

ادہر سے دریودہن بھی تلوار گھسیٹ کر کھڑا ہوا۔ وہ دور کے راجہ مہاراجہ ملک کو دوڑے جنکو سری کرشن سے خدا واسطہ کا بیر تھا۔ اپنے لشکر لیکر دریودہن کی سپاہ میں آن ملے اور ایک کالی گھٹا کی طرح امنڈتے ہوئے چلے۔ بھیشم پتامہ سیناپتی یعنے کمانڈر انچیف تھے۔ درون کرن جیسے بہادر نبرد آزما ساتھ تھے۔

کرن ارجن کا سوتیلا بھائی تھا۔ مگر کسی شبہ کے سبب خلقت اسکو ارجن کا بھائی تسلیم نہ کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ سوئمبر کی رسم میں دروپدی نے اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا تھا جس کا کرن کو از حد خار تھا۔ اور وہ ارجن کی جان و آبرو کا دشمن بنا رہتا تھا۔ دروپدی کی بے چادری والی توہین میں بھی کرن کا ہاتھ تھا۔ اور کرن اپنے بھائی ارجن کو چھوڑ کر دریودہن کا ساتھی صرف اسوجہ سے ہو گیا تھا کہ سوئمبر والی ہتک اسکو کانٹے کیطرح کھٹکتی تھی۔ سری کرشن جی نے سفارت کے زمانہ میں بہت کوشش فرمائی تھی کہ کسی طرح کرن کو دریودہن سے توڑ لیا جائے مگر کرن ہرگز نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ میں تو ارجن کا خون بہا کر خوش ہوں گا۔

تعلیم دینے والے ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں آپ دریودھن
کو قول دے چکے ہیں اور مجبور ہیں۔ مگر ہم بھی لاچار ہیں۔ ہم نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا
اور صلح کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اب جبکہ لڑائی سر پر آگئی تو ہمارا فرض ہے کہ پہلے آپ کو سلام کریں اور آپ سے
لڑائی شروع کرنے کی اجازت مانگیں۔ اگر کسی دوسرے غنیم کا مقابلہ ہوتا تب بھی ہم آپ کی
اجازت کے بغیر میدان میں نہ نکلتے۔ اور اب گو خود آپ ہی سے جنگ کرنی ہو تو بھی
ہم آپ ہی کی اجازت مانگنے آئے ہیں۔ جب تک آپ اجازت نہ دینگے ہماری تلوار میان
سے باہر نہ نکلے گی۔"

بھیشم اور درون پر یدھشٹر اور ارجن کی اس سعادتمندی کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے اُن کو
اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بہت سی دعائیں دیں اور کہا۔
"جاؤ ہم تم کو دل سے اجازت دیتے ہیں۔ میدان قتال گرم کرو۔ خدا تم کو فتحیاب
کریگا۔ اور فتح تو تمہاری اُسی وقت ہوگئی جب تم ایسی نیک خیالی اور سعادتمندی سے اپنے
دشمنوں میں بے ہتیار چلے آئے۔"

اسکے بعد بھیشم اور درون نے اپنے ان شاگردوں کو لڑائی کے چند ضروری
آداب تعلیم کئے اور دور تک ساتھ جاکر رخصت کیا۔

یدھشٹر اور ارجن کی اس کارروائی نے دوست دشمن سب کو ان کا گرویدہ کر دیا۔
اور ہر شخص کی زبان سے بے اختیار ان کی تعریف نکلنے لگی۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ پسران پانڈو کی یہ کسر نفسی ان کے اعلےٰ و شریفانہ کیرکٹر پر
دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے یہ ایسا کام کیا کہ تلوار چلانے سے پہلے دشمن اُن کا
مغلوب ہوگیا۔ بات کی تلوار سے انہوں نے ہر دل کو مسخر کرلیا۔ یہی نہیں کہ انہوں نے
حریفوں کے دل موم کر دئے بلکہ اپنی فوج کے دلوں کو دوگنا کر دیا۔ اس فعل کے بعد

یدہشٹر کے لشکر کا ہر سپاہی یدہشٹر کو بے گناہ اور دریودہن کو پاپی جتا کر سمجھنے لگیگا
اور پھر اُسنے پورے ایمان کے ساتھ اور سچے جوش کے ارادے سے دشمن کے سر پر
تلواریں ماری ہوں گی۔

آج یدہشٹر وارجن موجود نہیں ہیں۔ آج دریودہن کی خاک بھی دنیا سے ناپید ہے
مگر پسران پانڈو کا یہ کارنامہ قیامت تک موجود رہے گا۔ اور ہندو قوم کے برتر خصال کی
گواہی نسلاً بعد نسلاً دیتا رہیگا۔ کہ اس قوم کے حکمران عداوت اور دشمنی کی حالت میں بھی ایسے
سیر چشم اور شریفانہ وضعداری کے پابند ہوتے تھے۔

ارجن کا رتھ

اس سین پر پردہ گرا تو ارجن اپنے جنگی رتھ میں سوار ہوا۔ سری کرشن حسب وعدہ
اس کے ساتھ رتھ بان بنے۔ اور رتھ کو لیکر میدان جنگ میں نمودار ہوئے۔

ارجن نے کہا۔ میرے آقا رتھ بان! ذرا اس رتھ کو لیکر دشمن کی سب صفوں کے
آگے سے گزرو۔ تاکہ میں دیکھوں آج کے دن کون کون ہم سے لڑنے آیا ہے۔ اور ہم کو
کس کس کی طاقت سے مقابلہ کرنا ہے۔

سری کرشن نے ایسا ہی کیا اور رتھ کو تمام میدان میں پھرایا۔ جب ارجن سب کچھ
دیکھ چکا تو ایک دفعہ ہی بولا۔

"گرودتا میرے بازو تھرتھراتے ہیں۔ میرا دل لرزتا ہے۔ ایمان اور ضمیر کانپتا ہے
جب میں دیکھتا ہوں کہ مقابلہ کی صفوں میں سوائے نزرگوں استادوں۔ بھائیوں۔
کنبہ والوں۔ قرابت داروں کے اور کوئی نہیں ہے۔ کیا میں ان عزیزوں پر تلوار
اُٹھاؤں۔ کیا مجکو اپنے بڑوں سے گستاخ ہونا پڑیگا۔ کیا میں اپنے سگوں کو خاک و خون
لٹاؤں گا۔ نہیں نہیں اے میرے رہبر مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔

دنیا میں جینے کا مزا، حکومت، اور مال و دولت کا لطف ان ہی لوگوں سے ہو۔ جب میں ان کو قتل کر دوں گا تو پھر بادشاہت اور روپیہ پیسہ کیا بہا۔ دیکھا مجھ سے تو یہ گناہ کبھی نہ ہوگا۔ رتھ کو لَوٹ۔ پھیر، مجھ سے لڑائی نہ ہو سکیگی۔ میں ایسی عزت کو ذلت سمجھتا ہوں جو اپنے گھر والوں کے قتل سے حاصل ہو۔"

گیتا کا لکچر

سری کرشن جی نے ارجن کی یہ بات سُنی تو وہ مسکرائے اور اُنہوں نے اپنی نشست سے مڑکر ارجن کو دیکھا اور فرمایا۔

"زندگی کیا ہے۔ مرنا کیا ہے۔ تو ان کا فرق سمجھا کیا ہے۔ خوشی کس کو کہتے ہیں غم کیا ہوتا ہے۔ انصاف کیا معنی ہیں ظلم کس کا نام ہے۔ اے نادان تجکو ابھی ان باتوں میں کسی کا بھی علم نہیں ہے۔ ورنہ تو ایسی بزدلی کی بات نہ کہتا۔

تو چھتری ہے اور چھتری کا ایمان یہ ہو کہ وہ ظالم کو پامال کرے اور مظلوم کو اُس کے پنجہ سے بچائے۔

جن کو تو نے اپنا اور سگا سمجھا ہے ان میں کوئی بھی اپنا نہیں۔ سب پرائے ہیں گناہ اور پاپ ایک میل ہے جو کپڑوں کا اُجلا پن کھو دیتا ہے۔ اگر دھوبی کپڑوں پر جم کرے اور ان کو پتھر پر اُٹھا اُٹھا کر نہ مارے تو بتا ان کا میل کیونکر دور ہو۔ اور وہ کیسطرح صفائی حاصل کریں۔

یہ سامنے والی فوجیں گنا ہوں میں میلی ہو رہی ہیں تلوار کے گھاٹ انکو دھونا چاہیئے۔ یہ مرتے نہیں ہیں کپڑے تبدیل کرتے ہیں۔ یہ پاپی جسم بدل جائیں گے اور تیری تلوار ان کو بدل دیگی۔ تو پھر ان کو اُجلے اور صاف جسموں کا لباس ملیگا۔ ہمت نہ ہار۔ اپنی جوانمردی کو بٹہ نہ لگا۔ بہادر چھتریوں کی طرح تیر کمان اُٹھا۔ تلوار بلند کر۔

نیزہ کو جنبش دے اور لڑے"
یہ گیتا کی ابتدا تھی اور پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو لکچر سری کرشن نے ارجن کو اسی میدان کارزار میں دئے۔ ان سب کے مجموعہ سے گیتا کتاب تیار ہوئی۔
جو لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ایسے نازک وقت میں تقریر اور پھر ایسی باریک فلسفیانہ تقریر کی فرصت کہاں ہوگی۔ لہذا گیتا کو سری کرشن سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ کسی اور شخص کی تصنیف ہے۔ ان کا کہنا سراسر غلط ہے۔ سری کرشن کو سوائے بولنے اور رتھ کو ادہر سے اودہر لیجانے کے اور کام ہی کیا تھا۔ ان کی معمولی معمولی باتیں بھی فلسفہ حیات و کائنات سے لبریز ہوتی تھیں۔ کجا کہ ایسے موقع کا بیان جبکہ جذبات ابھارنے والی ایک عظیم الشان جنگ آنکھیں دیکھ رہی ہوں مرنے والوں کی بے چینیاں۔ زخمیوں کی چیخیں۔ تلواروں کی جھنکاریں تیروں کے سناٹے سنائی دیتے ہوں۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا تو ایک روشن ضمیر روشن دماغ فلاسفر جو کچھ بھی کہہ جاتا کم تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں گیتا اور اسکے فلسفہ پر رائے زنی ہوگی۔ یہاں تو فقط اتنا بتانا تھا کہ جنگ سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا اور ارجن کو ہمت ہارتا دیکھکر سری کرشن جی نے دوبارہ آمادہ کیا۔ اور انہی کی تقریر سے متاثر ہوکر اسکو حرب و ضرب کا میلان ہوا۔ اور اسی موقع پر گیتا کی تقریریں ہوئیں۔

مقابلہ

آخر ارجن لڑنے پر رضامند ہوگیا۔ تیر چٹکیوں سے نکلنے لگے۔ کمانیں دوہری ہونے لگیں۔ سینے چھدنے شروع ہوئے۔ تلوار سروں پر کھیلنے لگی۔ اور دونوں فوجوں نے داد شجاعت دینی شروع کی۔
یدھشٹر کی فوج کا افسر اعلےٰ دیوممن راجہ دروپد کا بیٹا اور ارجن کا سالا تھا۔ اور دریودھن کا سپہ سالار بھیشم پتامہ تھا۔

دروَن کے بیٹے کا نام بھی اشوتہاما تھا۔ اور یہ فریب اسی غرض سے کیا گیا تھا کہ درون کا دل بیٹے کی موت کا حال سُنکر ٹوٹ جائے۔ اور جب اسکی ہمت پست ہو تو ہم اُسکو مار ڈالیں۔

دروَن یدھشٹر کو بڑا سچا اور ایماندار جانتا تھا اُسے ہرگز گمان نہ تھا کہ یدھشٹر کوئی مکر کی بات کرے گا۔ لہذا اُس نے جوں ہی یدھشٹر کی زبان سے سُنا کہ اشوتہاما مارا گیا۔ اُسی وقت ہائے کا نعرہ مار کر دل برداشتہ ہو گیا۔ اور بیٹے کے غم نے اُسکی کمر ہمت توڑ ڈالی۔ حریف تو اِس تاک میں پہلے سے لگے ہوئے تھے۔ دیومن سپالا نے آگے بڑھکر درون کا کام تمام کر دیا۔

دروَن کے واقعہ میں یدھشٹر اور سری کرشن پر جھوٹ اور فریب کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مگر آج کل کے زمانہ میں بھی جبکہ ہر شخص کو راست بازی کا عام دعویٰ ہے کوئی اِس قسم کے فعل کو فریب اور جھوٹ نہیں کہتا۔ میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں جنگ یوروپ ہو رہی ہے۔ دنیا بھر کی بڑی بڑی قوتیں میدان جنگ میں مصروف تیغ زنی ہیں۔ اور ہر فریق واقعات جنگ کو اپنے ڈھب اور مطلب کے موافق بیان کرتا ہے دروغ اور راستی کی کسیکو بھی پروا نہیں ہے۔ جھوٹ کو جائز سمجھ لیا گیا ہے۔ اور کوئی شخص اِسپر اعتراض نہیں کرتا۔ کیونکہ جنگ کی مشکلات کو اب ایک بچہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ پس مہابھارت جیسی عظیم جنگ اور درون جیسے آزمودہ کار جنرل کو شکست دینے کی سوائے اِس مکر کے اور کوئی صورت نہ تھی۔ سری کرشن نے جو کچھ کیا عین اصول حرب کے موافق کیا اور اِس سے اُنپر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے ہاں بھی الحرب خدعۃ آیا ہے۔ یعنے لڑائی میں مکر کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ایسا مکر جائز ہے جو عہد اور وعدہ کے خلاف نہ ہو۔ درون سے جو مکر کیا گیا اُسمیں صرف ایک قسم کا ہلکا سا دھوکہ تھا۔ یا مغالطہ تھا۔ عہدشکنی کا

فریب اسمیں نہ تھا۔ البتہ دریودھن کی فوج نے جو فریب کئے ہیں وہ دغا بازی کی حد تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ اسی درون کے بیٹے اشوتھاما نے دریودھن کے زخمی ہونے اور شکست پانے کے بعد ایک رات کو چوروں کی طرح آکر پانڈو خاندان کے تمام نوجوان شہزادوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ حالانکہ یہ حرکت مردانگی اور آئین حرب کے بالکل خلاف تھی۔ سوتے آدمی کو بے خبری میں مارنا نہایت کمین کام ہے۔

سری کرشن معلم عشق تھے۔ معلم جنگ تھے۔ معلم معاشرت تھے۔ معلم آخرت تھے۔ ان کے اس فعل سے سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے فن حرب کی ایک عملی مثال دنیا کو دکھائی۔ اب چاہے کوئی اچھا کہے یا برا کہے۔ اُن کو یا اُن کی برتر و برگزیدہ شان کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ اس سے ان کے پاکیزہ خصائل پر کوئی دھبہ لگ سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا درون کی حرکات قبیح کے جواب میں کیا۔ اور انصاف سے دیکھا جائے تو بہت کم کیا۔ درون برہمن تھا۔ درون مذہبی پیشوا بھی سمجھا جاتا تھا۔ اس کا فوجی عہدہ بھی سب سے برتر تھا۔ مگر اس نے سب سے پہلی بے ضابطگی تو یہ کی کہ حریف کے خلاف ایسے ہتیار استعمال کیے جن کا علم حریف کو نہ تھا۔ اور اُن سے بے شمار جانیں بے پناہ ہلاک ہوگئیں۔

آجکل جرمن قوم پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ لڑائی میں ایسے ہتیار کام میں لاتی ہے جن کا جواب اسکے دشمنوں کے پاس نہیں ہے۔ یا اس قسم کے طریقے اختیار کرتی ہے جن سے انسانوں کی جانیں زیادہ ضائع ہوں۔ آبدوز کشتی کے ذریعہ مسافری جہازوں کو غرق کر دیا جاتا ہے۔ اور ہزاروں بے گناہ شہری۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے۔ ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ یا ہوائی جہازوں سے شہروں پر بم پھینکے جاتے ہیں جن سے غیر جنگی آبادی ہلاک و تباہ ہوتی ہے۔ یا میدان جنگ میں زہریلی گیس استعمال ہوتی ہے

جو آدمیوں کو دم گھونٹ کر مار ڈالتی ہے۔

لہٰذا اگر جرمنوں کے دشمن بھی کوئی مکارانہ چال ان کے خلاف کریں تو کوئی منصف مزاج شخص ان کو ملزم نہ کہیگا۔

یہی حال درون اچار یہ کا ہوا۔ وہ جنگ کے سائنس سے واقف تھا۔ اُسکو ایسے ہتیار معلوم تھے جو آناً فاناً میں ہزاروں آدمیوں کو فنا کر دیں۔ وہ ایسی عجیب ترکیبیں لڑائی کی جانتا تھا جن کا توڑ دشمن کو معلوم نہ تھا۔ پسران پانڈو کی فوج نے دیکھا کہ درون باوجود برہمن ہونے کے یہ پاپ کر رہا ہے کہ تباہ کن آلات حرب سے ہماری فوجوں کی صفیں مری چلی جاتی ہیں۔ اور ہم اس کا کچھ علاج نہیں کر سکتے۔ تو کیا وہ درون کو معاف کر دیتے۔ آج ہم دمدم گولیوں کے استعمال پر طعن کرتے ہیں کہ ان سے زخم گہرا پڑتا ہے۔ اور آدمی مرتے زیادہ ہیں۔ کل درون کو ہم کس طرح معاف کر سکتے تھے۔ جس نے برہمن ذات ہو کر خلاف آدمیت آلات مہلک استعمال کئے اور ہزاروں بے گناہوں کو مار ڈالا۔

دوسری بدعت دوں نے ایک کمینی حرکت اور کی جو فنون جنگ۔ اور آداب حرب کے سراسر خلاف تھی۔ اور سوا سے اعلیٰ درجہ والے کی شان سے گری ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ ایک دن اثنار جنگ میں سری کرشن اور ارجن نقشہ جنگ کی تجاویز سوچنے کو میدان کارزار سے غیر حاضر تھے۔ اور ارجن کا بیٹا ابھے مینو جو سری کرشن کی بہن سوبھدرا کے بطن سے تھا باپ کی جگہ فوج کی کمان کر رہا تھا۔ درون نے موقع دیکھکر اپنے لشکر کے چھ مشہور جنرل منتخب کیے۔ ساتواں خود ان کے ساتھ ہوا۔ اور سب نے ملکر بچارے ابھے مینو کو گھیر لیا۔ جس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ ابھے مینو نے ہر چند داد شجاعت دی۔ اور خوب ہاتھ دکھائے۔ مگر سات خرانٹ تجربہ کار جنرلوں کے آگے سولہ برس کے بچّہ کی کیا حقیقت تھی۔ زخمی ہو کر گرا۔ اور جیدرتھ راجہ سندھ نے اس کا سر کاٹ لیا۔

ابھے منیو کے قتل نے یدہشٹر کے لشکر میں ہل چل ڈال دی اور ایسا قتل عظیم الشان
کہرام و ماتم بپا ہوا جس کی کچھ حد نہیں۔ شام کو ارجن اور سری کرشن واپس آئے تو یہ حال
سُنکر اُن کو بھی قلق ہوا۔ اور ارجن نے جیدرتھ کو دوسرے دن مارکر خون پسر کا عوض
لے لیا۔

درون کی یہ دو صریح اور صاف کمینی حرکتیں دیکھکر سری کرشن نے یہ تجویز فرمایا
تھا۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تجویز نا روا تھی۔ درون کو شرم نہ آئی جب وہ ایک خورد سال
لڑکے پر سات جنرلوں کو لیکر چڑھ گیا۔ اور عالم تنہائی میں اُسکو مار ڈالا۔ سری کرشن کی اس
تجویز میں سوائے درون کی ذات کے اور مخلوق خدا کا نقصان نہ تھا۔ اُنہوں نے ایک بدذات
موذی کو ہلاک کرکے ہزاروں جانوں کو بچا لیا۔ جو اس شریر کے بے پناہ آلات حرب سے برباد
ہو رہی تھیں۔ لہذا ایسا مکر۔ ایسا جھوٹ۔ ہزار دیانتوں اور لاکھ سچائیوں سے اعلےٰ ہے
جو بندگان خدا کی جان بچائے۔

کرن کا میدان

بھیشم اور درون کی موت نے دریودہن کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ اسکی
سپاہ پراگندہ خاطر اور دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ تاہم حسد کی آگ رہ رہ کر سہارا دیتی تھی۔
درون مرا تو اُس نے کرن کو سپہ سالاری دی۔ اور دوسرے دن کرن نہایت کروفر سے
میدان میں افواج کو لڑانے نکلا۔ اور خوب خوب ہنرمندیاں جنرلی کی دکھائیں۔
کرن نے قسم کھا رکھی تھی کہ یا تو ارجن کو میں قتل کرونگا۔ اور یا اُسکے ہاتھ سے خود
مارا جاؤں گا۔ اس واسطے کرن کی سپہ داری نے لڑائی میں ایک عجیب طرح کی جان
ڈالدی تھی۔ دریودہن کی فوج کو خیال تھا کہ کرن ضرور ارجن کو مار ڈالیگا۔ کیونکہ فن حرب میں
اسکی برابر کا ہے۔ اور شوق انتقام میں اس سے بڑھا ہوا ہے۔

یدھشٹر کی سپاہ کو ایک طرف ارجن کا فکر تھا۔ تو دوسری طرف یہ آس لگی ہوئی تھی کہ کرن کے بعد میدان صاف ہے۔ اسکو مار لیا تو گویا دریودھن کو مار لیا۔ پھر کوئی کانٹا میدان میں باقی نہ رہے گا۔ غرض اسی امید و بیم میں کرن کی جنگ شروع ہوئی۔ کرن نے بھی بھیشم اور درون کی طرح یدھشٹر کی فوج کا بہت نقصان کیا۔ وہ تاک تاک کر ارجن کے تیر مارتا تھا۔ اور ارجن بھی چاہتا تھا کہ کرن کے سامنے جا کر مقابلہ کرے۔ مگر سری کرشن ارجن کے رتھ کو کرن کے سامنے نہ لیجاتے تھے۔ اور طرح دے دیکر موقع ٹال رہے تھے کرن نے اسکو ارجن کی بزدلی اور کمزوری پر محمول کیا اور اُس کا دل شیر ہوتا گیا۔ اور سری کرشن کا منصوبہ یہ تھا کہ جب کرن خوب تھک جائے گا اُس وقت ارجن سے مقابلہ کراؤں گا۔

آخر کئی دن کے بعد سری کرشن ایکا ایکی ارجن کے رتھ کو کرن کے سامنے لیکر پہنچ گئے۔ اور ان دونوں بہادروں کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اس وقت دونوں لشکر سنّاٹے کے عالم میں کھڑے سیر دیکھتے تھے۔ اور ہر شخص کا دل انجام کے خیال سے دھڑک رہا تھا کرن ارجن سے ایسا جی توڑ کر لڑا کہ باید و شاید۔ ارجن کے اوسان باختہ ہو گئے۔ مگر سری کرشن نے رتھ بانی کے ہنر سے کرن کو گھبرا دیا۔ وہ رتھ کو ایسے چکر دے دیکر پھراتے تھے کہ کرن اپنے ہتیاروں کی شست قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اسی اثنا میں کرن کے رتھ کا پہیہ کیچڑ میں پھنس گیا۔ اور اُس نے ارجن کو آواز دی کہ ذرا ہاتھ کو روک لو۔ میں پہیہ کیچڑ سے نکال لوں۔ چونکہ یہ بات آداب جنگ میں شامل تھی۔ ارجن نے ہاتھ روک لیا۔ اور کرن خود اُتر کر پہیہ کیچڑ سے نکالنے لگا۔ اُس وقت سری کرشن نے ارجن کو ملامت کرنی شروع کی اور فرمایا: "آج تو آداب جنگ کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔ کل کیا ہوا تھا جب تو نے سات آدمیوں کے ساتھ ہو کر اکیلے ابھمنیو پر حملہ کیا اور آئین جنگ کے خلاف اُسکو مار ڈالا۔ کیا تو بھول گیا کہ تو نے دروپدی کی بےعزتی کو خوش ہو کر دیکھا تھا۔ ایسے شخص کو امان دینی جائز نہیں۔

مگر دیکھو ہم نے اصول جنگ کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ اور تجھکو امان دیدی۔"

سری کرشن کی اس ملامت سے کرن نادم ہوگیا۔ اور پہیہ نکال کر جب اسنے مقابلہ شروع کیا تو خود بخود اسکی ہمت پست ہوگئی۔ اور ارجن نے بہت آسانی سے اُسکی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

کرن کے مرتے ہی دریودہن کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہوگئی۔ اسکے لشکر سے غوغائے الم بلند ہوا۔ اور فوجوں کے پرے بھاگنے شروع ہوئے۔ مگر دریودہن نے ان کو سنبھالا۔ اور راجہ مدرا کو کمانڈری دیکر صفیں جمائیں۔ مگر راجہ مدرا بھی تھوڑی دیر میں کٹ کر گر پڑا تو سپاہ بالکل بھاگ نکلی۔ اور خود دریودہن بھی فرار ہوکر رستے کے ایک جنگل میں جاکر چھپ گیا۔

دریودہن کا خاتمہ

یہ کیفیت دیکھکر یدہشٹر جنگل کے قریب گیا اور دریودہن کو آواز دیکر کہا۔"اب کیوں چھپتا ہے۔ میدان میں آ۔ اور بہادروں کی طرح مقابلہ کر۔ اگر تو نے فاتی مقابلہ میں فتح پائی تو پھر سب کچھ تیرا ہے۔ ہم بھائیوں میں سے ایک کو بھی تو قتل کرسکیگا تو ہم سب راج پاٹ چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں گے۔ خاندان کو بٹہ نہ لگا۔ عورتوں کیطرح منہ نہ چھپا۔ میدان میں نکل۔ اور ہمت ہے تو لڑ۔"

دریودہن نے جواب دیا۔"اب میں تاج و تخت کے واسطے لڑنا نہیں چاہتا۔ وہ تو میں نے تم کو بخشا۔ البتہ بزرگوں اور بھائیوں کے خون کا تم سے انتقام لینا ہے۔ اسکے لئے لڑنے کو تیار ہوں۔ مگر سوائے لکڑی کے کسی ہتیار سے نہیں لڑوں گا۔ تم میں سے جو شخص لکڑی سے لڑنا قبول کرے سامنے آئے۔ مگر اے یدہشٹر اور اے ارجن تم دونوں میرے آگے بالکل مریل ہو۔ میں تم سے لڑتا ہوا شرماتا ہوں۔ میرے مقابلہ کا البتہ بھیم ہے

اُسکو بلاؤ تاکہ وہ مجھ سے لڑے"
یہ سُنکر بھیم آگے بڑھا۔ اور دریودھن سے لکڑی چلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد دریودھن
تھک گیا اور بھیم نے اُسکی ران پر ایسی لکڑی ماری کہ اُسکی ران پاش پاش ہو گئی۔ اور
دریودھن اوندھے منہ گر پڑا۔ گرا تو بھیم نے اُسکے سر پر پاؤں رکھدیا۔ اسپر سری کرشن نے
آواز دی "خبردار اے بھیم پاؤں کو سر پر سے ہٹالے۔ عاجز دشمن کی بے حرمتی شرافت
کے خلاف ہی"
دریودھن ران کے زخم سے مرا نہ تھا۔ مگر مرنے سے بدتر ہو گیا تھا۔ اسکو وہ ہوا چھوڑکر
سب لوگ اپنے خیموں کی طرف واپس چلے آئے۔ یہ دریودھن کی آخری حالت تھی۔
اسکے اقبال کا ستارہ ٹوٹ چکا تھا۔ اسکی جہانداری کی کشتی ڈوب چکی تھی۔ وہ خاک پر
پڑا ایڑیاں رگڑتا تھا۔ اور مہابھارت کی جنگ کو اس نے اپنے گرنے سے گویا ختم
کر دیا تھا۔
آج وہ دیکھ رہا تھا کہ سب چھپا تا یا۔ بھائی بند۔ دوست احباب۔ میری حرص کی آگ
میں جلکر مر گئے۔ اسکو نظر آتا تھا کہ دنیا کی محبت نے اپنا انجام میرے سامنے کھڑا کر دیا۔
اب موت قریب ہے۔ اور زندگی ہاتھ سے جاتی ہے۔ آج کوئی قوت مجکو سہارا دینے
والی نہیں ہے۔ اب میری آنکھ بند ہو جائے گی۔ اور شوق تاج و تخت کے سب
جھگڑے نابود ہو جائیں گے۔
زخم سے خون بہ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ دل سے آہیں بہ رہی
تھیں۔ بدن سے جان بہنے کا سامان کر رہی تھی۔ آسمان چپ نگاہوں سے اُسکو
دیکھتا تھا۔ اور دریودھن بولتی نظروں سے آسمان کو دل ہی دل میں مخاطب کرتا تھا۔
یہ انجام تھا ہندوستان کے ایک ظالم اور جابر حکمران کا جس نے حق اور راستی کو
پس پشت ڈال کر دوسروں کے حقوق پر دست درازیاں کیں تھیں جسکو اپنی فوج کی

یہ کہکر وہ چپ چاپ رات کی تاریکی میں دشمن کے خیموں کے اندر گھس گیا۔ اور پہلے دیومن لیسر راجہ دروپد کے خیمہ میں پہنچا جس نے اشوتہاما کے باپ درون اچاریہ کو قتل کیا تھا۔ دیومن اس وقت بے خبر سوتا تھا۔ کم بخت نے سوتے ہیں اسکو ذبح کرڈالا اور باپ کے انتقام سے جی ٹھنڈا کیا۔ اس کے بعد پانڈو خاندان کے جس قدر شہزادے اور جتنے ان کے حمایتی راجہ اور سردار تھے سب کو خیموں میں گھس گھس کر ہلاک کر دیا۔ اتفاق سے سری کرشن اور یدہشتر سب بھائیوں سمیت اس رات کیمپ میں نہتھے باہر ٹھہر گئے تھے۔ ورنہ ان کی ہلاکت بھی یقینی تھی۔

اشوتہاما اس آخری سفاکی کو پورا کرکے صبح ہونے دریودہن کے پاس گیا۔ وہ اس وقت سکرات کے عالم میں تھا۔ چند سانس باقی رہے تھے کہ اشوتہاما نے اس کو یہ خوش خبری سنائی۔ دریودہن اس پر جفا قتل کاری کی اطلاع سے بہت خوش ہوا اور بولا اب میری جان آسانی سے نکلیگی۔ تونے بڑا اچھا اور خوب شاندار کام کیا۔ یہ کہا اور آخری ہچکی لیکر مر گیا۔

لڑائی ختم ہوگئی تو تجویز ہوئی کہ دریودہن کے ماں باپ کو اس انجام کی خبر دینے کے لیے سری کرشن کو بھیجنا چاہیئے۔ تاکہ وہ ان کو تسلی دلاسا دے سکیں۔ سری کرشن نے اسکو منظور کیا۔ اور میدان جنگ سے دہرت راشٹر کے پاس تشریف لے گئے۔ دریودہن کے ماں باپ نے جب یہ خبر بد سنی تو بڑا واویلا مچایا۔ مگر سری کرشن نے فلسفیانہ تقریر سے ان کو صبر کی تلقین کرکے خاموش کر دیا۔ آخر سب عورتوں نے خواہش کی کہ ہم کو میدان جنگ دکھا دو۔ سری کرشن نے قبول کیا اور ان کو لیکر کروکشیتر میں تشریف لائے۔ یہ تھانیسر اور پانی پت کے درمیان ہے۔ جہاں مہابھارت کی لڑائی ہوئی تھی۔

جب عورتوں نے اپنے خاوندوں۔ اپنے بھائیوں۔ بیٹوں۔ باپوں کی لاشیں

دیکھیں تو ان کا روتے روتے عجب حال ہوگیا۔ اور دیود ہن کی ماں گندھاری سری کرشن کو کوسنے لگی۔ اور کہا۔

"یہ سب تیرا کیا کام ہے۔ پانڈو کے لڑکے تو لڑائی پر آمادہ نہ تھے تو نے اُن کو اُکسا اُکسا کر لڑایا۔ اور یہ روز بد دکھایا"

سری کرشن نے گندھاری کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور چپ کھڑے مُسکراتے رہے۔

وہ جاہل کو کیا جواب دیتے۔ بے شک وہی اس رزم عظیم کے بانی مبانی تھے۔ بلاشبہ ان ہی کی مسلسل تدبیروں سے پسران پانڈو کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ گر فساد کی بنا تو خود گندھاری کا بیٹا دیودہن تھا۔ سری کرشن اس غمزدہ سے کیا نہ کہتے اور اس سے کیا کہتے کہ دیوانی کردی خویش آمدی پیش۔

یدہشتر کی تخت نشینی

یہ سب کچھ ہو چکا تو یدہشتر سے درخواست کی گئی کہ تخت پر بیٹھے۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ اور کہا سارے خاندان کو ہلاک کر کے کیا خاک بادشاہت کروں۔ ہر چند اُس کو سمجھایا گیا مگر وہ نہ مانا۔ یہاں تک کہ خود دہرت راشٹر اور گندھاری نے بھی منت سے کہا کہ اب تیرے سوا کون ملک کی حفاظت کر سکتا ہے۔ مگر یدہشتر نے نہ مانا تو سری کرشن سامنے آکر بولے۔

"سُن سُن او دیوانے۔ ترک دُنیا کیا ہے۔ اور دخل دنیا کیا ہے اپنے وجود کو دیکھ۔ اسمیں اعضا ہیں۔ ان کے فرائض ہیں۔ ان میں زندگی ہے۔ اور زندگی کا حق کام ہے۔ چھتری نسل میں پیدا ہوا ہے مرنے مارنے کا کیا غم کرتا ہے چل اُٹھ۔ تخت پر بیٹھ۔ تاج پہن۔ خلق خدا کی حفاظت کر کہ وہی تیرا سب سے بڑا عمل اور کرم ہے"

یہ تقریر بہت طویل اور موثر تھی مگر میں نے صرف خلاصہ مطلب لکھدیا۔ کیونکہ سری کرشن کی یہ تمام اصلی تقریریں حصہ دوم میں مع حواشی کے لکھی جائینگی۔

یدھشٹر سری کرشن کی تقریر سے متاثر ہوا اور فوراً بسر وچشم کہکر تخت پر بیٹھ گیا۔ مگر کفارہ کے ایک جلسکی تیاری شروع کر دی۔

سری کرشن ان سب کو مطمئن کر کے دہلی سے روانہ ہوئے اور سیدھے دوارکا تشریف لے گئے۔

چند روز کے بعد پھر دہلی تشریف لائے۔ اور ابکے اُن کے ہاتھ سے ایک مردہ زندہ ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

ابھے مینو کے مردہ بچّہ کا زندہ ہونا

یہ تو ابھی پڑھا ہو گا کہ اشوتھاما نے پانڈو زادوں کے تمام نوجوان شہزادوں کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ اور کوئی لڑکا ایسا نہ بچا تھا جو یدھشٹر کے بعد تاج و تخت کا وارث ہوتا مگر رانی اُترا حاملہ تھی جو ابھے مینو مقتول کی بیوہ اور سری کرشن کی بھانجی ہوتی تھی۔ اسکے حمل پر سب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ کہ خدا اسکو بیٹا دے تاکہ نسل آگے بڑھے۔ اور پانڈو کا نام زندہ رہے۔

اشومیدھ یگ (کفارہ کا جلسہ) ہونے والا تھا۔ سری کرشن بھی اسکی شرکت کو دوارکا سے دہلی تشریف لائے۔ جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے اُسی روز رانی اُترا کے ہاں مردہ لڑکا پیدا ہوا۔

بچّہ کو مردہ دیکھکر محل میں کہرام مچ گیا۔ جسپر آس لگی ہوئی تھی وہی مردہ پیدا ہوا تو جتنا ماتم کیا جاتا کم تھا۔

سری کرشن نے سُنا تو وہ بھی محل میں تشریف لائے۔ اور مردہ بچہ کو دیکھا

مستورات نے ان کو گھیر لیا۔ اور قدموں میں گر گر فریاد کرنے لگیں کہ بعد کسی طرح اس بچّہ کو زندہ کر دو۔ ورنہ ہمارے خاندان کا خاتمہ ہو جائیگا۔

سری کرشن کچھ دیر تو خاموش رہے۔ اسکے بعد بچہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: "اے او خاک کے پتلے اشن۔ میں نے ساری عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کبھی میدان جنگ سے بھاگا۔ اگر میری ان نیکیوں کی خدا کے ہاں کچھ قدر ہے تو ان کے طفیل تو زندہ ہو جا!"

اتنا کہنا تھا کہ بچہ حرکت کرنے لگا۔ اور اسمیں سانس پیدا ہو گیا۔ سری کرشن کا یہ معجزہ دیکھکر تمام حاضرین ان کے قدموں میں گر پڑے۔

اس بچّہ کا نام پریکشت رکھا گیا۔ اور آخر میں یدھشتر کے بعد یہی تاج و تخت کا وارث ہوا۔

مردہ کا زندہ کر دینا آریہ سماجی حضرات کو عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اسکے تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی قوم اس واقعہ پر کچھ بھی تعجب نہ کریگی اس کا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے اپنے بندوں کے ہاتھ سے مردے زندہ کرا سکتا ہے۔ اگلے زمانہ کے پیغمبروں نے مردے جلائے ہیں۔ آخر زمانہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی امت کے اولیا اللہ نے بیسیوں مردے زندہ کئے ہیں۔

اگر آج یورپ و امریکہ کے فلاسفر اور سائنس داں کوئی مشین یا طریقہ مردہ زندہ کرنیکا ایجاد کر لیتے تو غالباً آریہ سماجی صاحبان سری کرشن کے اس معجزہ کو بھی قبول کر لیتے کیونکہ وہ اور ان جیسے تمام پرستاران عقل خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان عیسائی ہوں یا پارسی اپنے گھر کے کمالات کو جب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ کی تصدیق بھی اس پر ہو جائے۔

سری کرشن نے بچّہ سے یہ خطاب نہیں کیا کہ تو میرے حکم سے زندہ ہو جا بلکہ

اُنہوں نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ قرار دیکر ایک طرح کی دعا مانگی۔ اور یہی وہ معیا ہے جسکو ہم مسلمانوں نے انبیا اور اولیا کی زبان سے سُنا ہے۔ یعنے ان لوگوں نے جب کبھی کوئی مردہ زندہ کیا تو خدا ہی سے دعا کر کے کیا۔ مسلمان اس حدیث قدسی سے واقف ہیں۔ جہاں خداتعالےٰ نے اپنے سچے رسول محمد مصطفٰےؐ کی زبان سے فرمایا ہے۔

کہ جب بندہ نیک اعمال سے میری قربت حاصل کر لیتا ہے تو میں اُسکی آنکھ بن جاتا ہوں۔ مجھسے دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے کام کرتا ہے اور پکڑتا ہے۔ میں اس کا کان بن جاتا ہوں۔ مجھسے سنتا ہے۔ میں اُسکی زبان بن جاتا ہوں۔ مجھ سے بولتا ہے۔

لہٰذا اگر کسی نیک اعمال بندۂ خدا سے کوئی ایسا کام ہو جو عقل اور فطرت ظاہر کے خلاف نظر آسے تو خیال کر لینا چاہیئے کہ اس کا کرنے والا خدا ہی تھا۔ دیکھنے میں ایک بندہ کے ہاتھ یا زبان سے ہوا مگر اس کا فاعل حقیقی وہی پروردگار ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سری کرشن جی کی شخصیت ایک مذہبی آدمی کی۔ یا اوتار کی ضرور تھی۔ ورنہ اُن سے ایسی عجیب درخواست نہ کی جاتی۔ یعنے اُن کو مردہ بچہ کے زندہ کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا۔ جو آریہ سماجی سری کرشن کے درجہ اوتار اور مرتبہ مذہبی کے منکر ہیں اور محض ایک نامور راجہ ان کو کہتے ہیں وہ ان تمام واقعات پر غور کریں جن کو میں نے اس کتاب میں جگہ جگہ اشارہ کر کے بتایا ہے۔

سری کرشن کی وفات

پریکشت کو زندہ کر کے سری کرشن دہلی سے دوارکا تشریف لے گئے۔ اور پھر وہ کبھی دہلی نہ آئے

لکھا ہے کہ ۱۲۰ برس تک اس کے بعد وہ اور زندہ رہے۔ اسی اثنار میں انکے خاندان نے باہمی کشت وخون سے اپنا ستیاناس کرلیا۔

سری کرشن کے کیرکٹر اور خصائل کو اس مختصر سے بیان زندگی سے سمجھ لیا گیا ہوگا کہ وہ بداعمالوں کو فنا کرنے کے لیے دنیا میں ظاہر ہوئے تھے۔ کنس۔ جراسندھ۔ دریودہن اور تمام بڑے بڑے ظلم کاروں کا اُنہوں نے خاتمہ کردیا۔ اور ان مقاتل میں کبھی رحم یا ترس ان کے افعال واقوال سے ظاہر نہ ہوا۔ حالانکہ ان میں ان کے دوست احباب اور رشتہ دار لوگ بھی تھے۔

یہی کیفیت دوارکا میں پیش آئی۔ وہاں تو ان کے سب بھائی بند اور بال بچے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شراب خواری جوئے بازی۔ کینہ۔ حسد اور صدہا عیبوں میں ان کی برادری مبتلا ہوگئی ہے تو اُنہوں نے ایسا ڈھنگ اختیار کیا کہ ایک مخصوص مجمع میں جو شہر کی آبادی سے باہر تھا اور جہاں تمام لوگ جمع ہوئے تھے۔ خانہ جنگی کی تلوار چل گئی اور ایسی چلی کہ کل دوچار کے سوا کوئی بھی زندہ نہ بچا۔

سری کرشن خود بھی اس خانہ جنگی میں موجود تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر فریق کو شہ دے دیکر لڑاتے تھے۔ کبھی اس گروہ میں آتے اور اُسکو بھڑکاتے۔ کبھی اُس فرقہ میں جاتے اور اُس کو آمادہ قتال کرتے۔ غرض ایسی دھواں دھار خونریزی ہوئی کہ دوچار کے سوا کوئی بھی زندہ نہ بچا۔

اثنائے قتال میں سری کرشن برابر مسکراتے تھے۔ گویا اُن کو اس خونریزی میں مزا آرہا تھا۔ صرف بلرام۔ سری کرشن اور دوچار آدمی بچے تھے۔ باقی سب کا وہیں ڈھیر ہوگیا۔

اس واقعہ سے بعض دلوں میں خیال آئے گا کہ خدا والہ کا کام خون خرابے کرانا نہیں ہے۔ مگر ان کو حضرت نوحؑ کا خیال بھی کرنا چاہیئے۔ جنہوں نے بداعمالوں

سے کے لیے خدا سے دعا کی کے طوفان بلایا۔ اور تمام مخلوقات کو غرق کرا دیا۔

یہ سب قدرت خدا کے کرشمے ہیں۔ کبھی وہ اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے کبھی ان پر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔ اور فنا کر ڈالتا ہے۔ سری کرشن بھی خدا کی طرف سے مامور تھے۔ کہ نافرمان بندوں کا قلع قمع کر دیں۔ اور اس کا خیال نہ کریں کہ یہ میرا بیٹا ہے یا بھائی ہے۔ یا رشتہ دار ہے۔ یا دوست ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور ساری زندگی اسی فرض کی تعمیل میں بسر کر دی۔

القصہ جب جادو خاندان کا خاتمہ ہو چکا تو سری کرشن جنگل میں نکل گئے۔ اور وہاں جا کر یاد الہٰی کرنے لگے۔ اور ان کا بھائی بلرام بھی دوار کا سے نکل کر سمندر کے کنارے جا بیٹھا اور وہیں اُس کا انتقال ہو گیا۔

ارجن کو یہ خبر دہلی میں پہنچی تو وہ دوارکا آیا اور اُس نے سری کرشن کے پوتے بزر کو تخت نشین کر کے باقی ماندہ خاندان کا حاکم بنا دیا۔

سری کرشن مدتوں جنگل میں عبادت کرتے رہے۔ ایک دن وہ مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ دور سے ایک شکاری نے اُن کو دیکھا تو ہرن خیال کر کے تیر مارا۔ جس سے سری کرشن سخت زخمی ہو گئے۔ شکاری قریب آیا تو سری کرشن کو اپنا شکار بنا دیکھ کر بہت گھبرایا۔ قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ سری کرشن پھر مسکرائے اور فرمایا "جا جا معاف کیا" یہ کہکر وہ گر پڑے اور جان تن سے نکل گئی۔

خدا کے مقبول و برگزیدہ بندہ کی حالت کو دیکھنا جس نے ہندوستان کے کونہ کونہ میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ جس نے تمام سرکش اور فرعون صفت ظالموں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ جس کے عقل و ہنر سے تاج و تخت پیدا ہوتے اور مٹتے تھے۔ آج وہ دنیا سے چلا تو کس سادگی سے چلا۔ اس نے دنیا کی حشمت و دولت میں لات مار دی۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کی طرح فرش خاک پر لیٹا۔ اور جان خدا کے سپرد کر دی

آج نہ کوئی تیمار دار اسکے پاس تھا۔ نہ غم گسار۔ نہ کوئی اسکی فکر میں آہ کرنے والا تھا۔ نہ اسکی خوشی میں واہ کرنے والا۔ بس وہ خود اکیلا تھا یا اُس کا خُدا۔ جو اپنے پیارے بندوں کا ہر جگہ ساتھ دیا کرتا ہے۔

روایت ہے کہ سری کرشن وفات پاتے ہی آسمان کی طرف اُڑ کر چلے گئے اور پھر اُن کی لاش کا کہیں پتہ نہ لگا۔ کہتے ہیں یہ بیان خوش عقیدہ لوگوں کا من گھڑت ہے۔ مگر اسمیں حیرت کی کیا بات ہے۔ روح تو ہر حال اُن کی مقام اعلےٰ پر گئی۔ جسم بھی اگر خدا نے اُٹھا لیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ کیا حضرت عیسےٰ مع جسم کے آسمان پر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اور جواب بھی وہاں موجود ہیں +

بس ختم

دوسرے ہموطن گروہ سے ٹوٹا ہوا اور بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک اصولی اتحاد کے بغیر ہندوستان حکومت خود اختیاری کے قابل قیامت تک نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس کا ذریعہ یہی ہے کہ ہندو اپنے عقائد گھروں اور دلوں تک محدود رکھیں۔ اور مسلمانوں سے ان کو نکرانے کی کوشش نہ کریں۔ اور مسلمان اپنے عقائد و اعمال میں خانگی طور پر سرگرم رہ کر دوسرے فرقوں اور مذاہب کی مداخلت سے احتیاط رکھیں تاکہ باہری دنیا میں طرز عمل اور برتاؤ ہم سب کا بالکل متحد نظر آئے۔ اور یہ جب ہی ہو گا کہ ہم ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنا سیکھیں۔ اور ان سے واقفیت حاصل کرکے غیر ہندی اقوام کے سامنے ان کا ذکر فخر کے ساتھ کیا کریں کہ ہمارے کرشن ایسے تھے۔ ہمارے رام ایسے تھے۔ ہمارے اکبر ایسے تھے۔ ہمارے شاہ جہاں ایسے تھے۔

کرشن بیتی یا حیات سری کرشن میں نے اپنے ذاتی عقائد و خیالات کی بنا پر لکھی ہے۔ مجھے اس پر اصرار نہیں ہے کہ ہر شخص میرا ہم خیال ہو جائے۔ تاہم میں نے واقعات کے بیان کرنے میں ذاتی رائے کو دخل نہیں دیا۔ حالات تو جوں کے توں جیسے ہندو کتابوں۔ ہندو روایتوں میں مذکور ہیں بلا کمی بیشی کے لکھ دئے۔ البتہ کہیں کہیں اظہار واقعہ کے بعد اپنی رائے لکھ دی ہے یا کیفیت کو عام فہم کرنے کی خاطر ذرا طول دے دیا ہے۔

سری کرشن کی تقریریں جس قدر اس کتاب میں ہیں وہ بجنسہ ان کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ اپنے طرز تحریر میں مفہوم اور مقصد ادا کر دیا گیا ہے۔

رادھا جی کی نسبت میں نے جو کچھ رائے لکھی ہے وہ صرف عارف باللہ ہندو تسلیم کر سکیں گے ورنہ جو عقیدہ ہزاروں برس سے دلوں میں جما ہوا ہے وہ مجھ اجنبی کے لکھنے سے دور ہونا محال ہے۔

کبیر صاحب نے بھی رادھا جی کی نسبت ایک دوہے میں اسی کے قریب خیال

خیال ظاہر کیا ہے جو میں نے اِس کتاب میں لکھا۔

وہ فرماتے ہیں۔ رادھا روح کی دھارا کا نام ہے۔ نہ کسی عورت کا۔

میں نے اِس کتاب میں آریہ سماجی خیالات کی اکثر جگہ مخالفت کی ہے۔ اِس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں آریہ سماج سے عناد رکھتا ہوں۔ بلکہ محض اختلاف رائے ظاہر کرنا مقصود تھا۔ میں اُن مسلمانوں سے بھی اِسی طرح اختلاف کیا کرتا ہوں جو عقل و مادہ کی ترنگ میں روحانی آدمیوں اور روحانی باتوں کا انکار کر دیا کرتے ہیں۔

لالہ لاجپت رائے صاحب کی کتاب سے میں نے کرشن بیتی لکھنے میں بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مجھے افسوس ہے کہ لالہ صاحب کی اس رائے سے مجھے سراسر اختلاف ہی جو اُنہوں نے سری کرشن کے اوتار ہونے یا مذہبی آدمی ہونے یا مصنف گیتا ہونے کے خلاف دی ہے۔ یعنے وہ سری کرشن کو نہ اوتار مانتے ہیں نہ مذہبی رہنما۔ اور غضب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ گیتا سری کرشن کی تصنیف ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ گیتا کسی اور شخص نے لکھکر سری کرشن کے نام سے منسوب کر دی ہے۔

آج سارا یوروپ اور یوروپ کا سب سے بڑا علمی محقق ملک جرمن تو اسپر زور دے کہ گیتا سری کرشن کی لکھی ہوئی ہے۔ اور صرف گیتا کی تصنیف کے باعث سری کرشن کو دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کرنا پڑتا ہے۔ اور لالہ لاجپت رائے صاحب محض اس وجہ سے کہ گیتا کو سری کرشن کی تصنیف مان لیا جائے گا تو پھر اُن کو اوتار بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ گیتا میں اُنہوں نے خود اوتار ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تصنیف گیتا کے منکر بنے جاتے ہیں۔

اے ہندوستانیوں برائے شگون اپنی ناک نہ کٹاؤ۔ بیشک سری کرشن خدا نہ تھے۔ اور اوتار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا کسی آدمی کے اندر حلول کرتا ہے

مختصر فہرست تصنیفات حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
سفرنامہ مصر شام وحجاز بالتصویر	ے ر	ظہور مہدی	۵ر
سی پاروں یعنی مجموعہ مضامین خواجہ حسن نظامی	۸عہ	تین پر ایک	۶ر
محرم نامہ	عہ ر	ناگفتہ بہ	۵ر
میلاد نامہ	عہ ر	سفرنامہ ہندوستان	۸ر
بیوی کی تعلیم	۱۲ر	عیدی	۴ر
چٹکیاں اور گدگدیاں	۸ر	توپ خانہ	ار
غدر دہلی کے افسانے	۶ر	مچھر کا اعلان جنگ	۱ر
اردو دعائیں	۶ر	مکھی کا میدان جنگ	۱ر
تسخیر مہر وقہر	۸ر	بندوق	۰ر
جگ بیتی	۶ر	بم	۰ر
بچوں کی کہانیاں	۶ر	ہوائی جہاز	۰ر
قبروں کے غیبی نوشتے	۸ر	جرمن شہزادے کی لاش	۰ر
گم ٹو موت	عہ ر	فرام قبلہ ٹو ڈملہ	۰ر
انتخاب توحید	۵ر	خدائی الٹم نکس	ار
اسرار	۳ر	مجموعہ خطوط	۱۲
اسلام کا انجام	۴ر	اتالیق خطوط نویسی نہم حصہ	۱۰ر

یہ سب کتابیں

پیرزادہ سید محمد صادق کارکن حلقۃ المشائخ دہلی سے منگائیے

حضرت خواجہ حسن نظامی

بیس برس سے ہندو مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی کوشش فرما رہے ہیں وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے آج سے بارہ برس پیشتر سری رامچندر جی اور سری کرشن جی کے بارہ میں بہت اعلیٰ درجہ کے خیالات انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں ایک لیکچر کے اندر ظاہر کئے تھے۔ اُنہوں نے ہمیشہ تقریروں اور تحریروں میں ہندو بزرگوں کی عظمت کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور اُنکی جسقدر تصنیفات ہیں ان سب میں اس برادرانہ محبت کا ثبوت ملتا ہے +

صفحہ آئندہ میں حضرت خواجہ صاحب کی تمام تصنیفات و تالیفات و تراجم کی فہرست دیجاتی ہے ہر محب ہند ان کتابوں کو دل شوق سے پڑھتا ہے۔ ہندوستان کے ہر شیدائی کو یہ کتابیں خوش کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کتابوں کی اُردو بھی ایسی آسان اور صاف ہے کہ ہندو لوگ بلا کسی وقت کے سمجھ سکتے ہیں۔ اور مضامین بھی ایسے اچھے ہیں جو ہر فریق کا دل خوش کر دیتے ہیں +

یہاں تو صرف نام کتابوں کے لکھدیئے ہیں۔ پوری تعریف بڑی فہرست میں ہے۔ جسکو ضرورت ہو مفت منگالے۔ ہندو مسلمانوں میں اتحاد جب ہی ہوگا کہ دونوں فرقے ایک دوسرے کی تحریر و تقریر سے فائدہ اٹھانا سیکھیں۔ اور ہندوستان کی بہتری بھی اسی پر منحصر ہے کہ ان دونوں قوموں میں اتفاق و یکجہتی پیدا ہو +

حضرت خواجہ صاحب کی کتابوں میں ایک مخصوص صفت یہ ہے کہ وہ ایسی ہندوستانی اور مزیدار اردو زبان لکھتے ہیں جو کسی سے ممکن نہیں ہے۔ اور ہندوستان کے تمام مشہور ہندو مسلمان ادیبوں نے مان لیا ہے کہ وہ دلچسپ اور پر اثر طرز تحریر کے موجد ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان کتابوں کو ضرور پڑھیں۔ جن کی فہرست اس صفحہ کی پشت پر میں نے لکھی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جنکو آجکل حضرت خواجہ صاحب لکھ رہے ہیں۔ ان کا حال معلوم کرنا ہو یا کوئی کتاب منگانی ہو تو میرے نام اس پتہ پر خط لکھیئے +

پتہ "پیرزادہ سید محمد صادق۔ کارکن حلقۃ المشائخ۔ صوبہ دہلی"

تعلق کرشن بیتی سے کچھ نہیں ہے۔ مہابھارت کی لڑائی میں ضمنی اشارے اسکے ملتے ہیں کہ ہندؤں کے ہاں اسوقت بھی اُڑن کھٹولے موجود تھے۔ مگر مجکو ایسی تشریح و تفصیل میسر نہ آسکی جس کی بناپر میں ان ہوائی جہازوں یا عجیب ہتیاروں پر روشنی ڈالتا اس کے علاوہ کتاب کے طویل ہوجانے کا بھی ڈر تھا۔ اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ سری کرشن کے حالات سے اس بحث کو کچھ زیادہ تعلق بھی نہ تھا۔ تاہم میں نے تصاویر میں ہوائی جہاز کی بھی ایک تصویر رکھدی ہے۔ جس سے کم از کم اُس وقت کے اُڑن کھٹولہ کی ہیئت نظر میں آجائے گی۔ اور معلوم ہوجائے گا کہ ہمارا ہندوستان اگلے زمانہ میں کس قدر ترقی یافتہ تھا۔ اور آلات حرب میں اُسنے کیسی کیسی ترقیاں کی تھیں۔

تم یہ خیال ہرگز نہ کرو کہ اس سے ہندؤں کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ لہذا ہم اس دعوے کو کیوں تسلیم کریں۔ بلکہ یہ سمجھو کہ اس سے تمہارے وطن کی عزت بڑھتی ہے۔ اور لائق و زندہ قوم وہی ہے جو اپنے ملک کے کانٹے کو بھی پھول سمجھتی اور پھول بیان کرتی ہو۔

اے ہندوستانیوں اب اُن اختلافات کو بھول جاؤ۔ جو حکمرانی کی کشمکش نے ہندو مسلمانوں میں ڈالے تھے۔ اب تم دونوں تیسرے کے محکوم ہو۔ اب تو تم کو ایک تن۔ ایک من۔ ایک دھن ہو کر اسی ملک میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اور کہو

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

والسلام حسن نظامی

ہمارے رسول [illegible] شاعروں اور زباں والوں کی فصاحت و بلاغت کی [illegible] ہم کو کتاب عنایت فرمائی جس نے ہر دعوے دار [illegible] زبان بند کر دی۔ اور سب منکرین خدا اسکے سامنے عاجز ہو گئے اسی کا نام صفت اوتاری ہے۔

دانشمند ہندو جن کو اپنے فلسفہ پر غور کرنے کا موقع ملا ہے کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اوتار خدا تھے یا خدا ان کے اندر سما گیا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح ان میں ظہور صفات الہی کے قائل ہیں۔ اور ان کو خدا کی طرف سے مامور خیال کرتے ہیں۔

تو پھر ہم لوگ اگر ہندؤں سے جھگڑا کریں تو کیسی فضول بات ہوگی۔ یا آریہ سماجی لوگ اپنے اوتاروں کی قدر دنیا کے دلوں سے گھٹائیں تو وہ ہرگز ملک کے خیر خواہ نہ سمجھے جائیں گے۔

میں مسلمان ہوں

میں مسلمان ہوں اور میں نے ہندؤں کے ایک بڑے بزرگ کے حالات پر یہ کتاب لکھی ہے۔ اجنبی قوم اور اجنبی مذہب کے آدمی سے غلطیوں کا ہونا ناممکن نہیں ہے۔ لہذا ہو سکتا ہو کہ میرے قلم سے نادانستہ کوئی ایسی بات نکلی ہو جو ہندؤں کو ناگوار گزرے۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ میری نیت کا لحاظ رکھا جائیگا۔ اور ہندو اس کا خیال رکھیں گے کہ میں نے جان بوجھکر کوئی غلطی نہیں کی۔ اجنبیت کے سبب کچھ خلاف ہو گیا ہو تو قابل گرفت نہیں۔

تصاویر کرشن بیتی

اس کتاب میں جس قدر تصویریں عکسی دی گئی ہیں اُن میں سے بعض کا ذکر کتاب میں آگیا ہے۔ مگر ایک تصویر ہوائی جہاز کی بھی میں نے اس میں دی ہے۔ اس تصویر کا